میرے راستوں کو گلاب کر.........حنا ملک

''سنو!''

وہ جو سر جھکائے دائیں کلائی میں پڑی چوڑیوں کو گھما رہی تھی' اس کی آواز پر ٹھٹک کر رک گئی تھی مگر نگاہ اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

وہ سامنے ہی بیڈ پر نیم دراز تھا۔ ''محترمہ ایماء حسن صاحبہ! میں آپ ہی سے مخاطب ہوں۔'' اب کی بار اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

''جی! مجھ سے کچھ کہا آپ نے؟'' ایماء کی بات پر اس کا خون کھول اٹھا' بمشکل خود پر قابو کیا۔

''یہاں تمہارے علاوہ کوئی اور ہے؟ دیواروں سے باتیں کرنے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے ویسے بھی یہ پاگلوں کا مشغلہ ہے۔ ہوش مند انسانوں کا نہیں۔'' وارڈ روب میں لٹکا نائٹ سوٹ کھینچ کر نکالا اور واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

''ہونہہ!'' ایماء نے بند دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے ناک چڑھائی۔

''بھابی! میں آ جاؤں؟'' دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ ہی آمنہ کی آواز سنائی دی۔

''اف! ایک لمحے کو چین نہیں لینے دیتے۔'' ایماء بڑبڑاتی ہوئی دروازے تک گئی۔

''کیا ہے؟'' انداز پھاڑ کھانے والا تھا آمنہ بیچاری ایک لمحے کو خفیف سی ہو گئی۔

''وہ...... بے جی پوچھ رہی ہیں کھانا بھجواؤں؟''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' انداز لٹھ مار سا تھا۔

''وہ بھائی جان......'' نئی نئی دلہن وہ بھی شہری آمنہ تو یوں بھی خاصی مرعوب رہتی تھی اس سے۔

''وہ واش روم میں ہیں۔''

''بھابی! آپ پوچھ کر بتا دونا''

''ابھی بھی کیا آفت آ رہی ہے۔'' وہ جی ہی جی میں خوب تلملائی مگر کہہ نہ سکی۔ ''تم کھانا بھجوا دو۔'' کہتے ہی دروازہ بند کر دیا۔

''اف! پاپا کہاں پھنسا دیا ہے آپ نے مجھے۔ اس بے وقوف سے تو وہی سوکھا چرخ شاہ رخ ہاشمی اچھا تھا۔'' کمرے میں بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ اضطراری کیفیت میں دائیں ہاتھ کے ناخن چباتی اس سے وہ واقعی نفسیاتی مریضہ لگ رہی تھی۔ وہ اس وقت بری طرح اپ سیٹ تھی۔ تبھی واش روم کا دروازہ کھلا۔

''ایکٹنگ تو خاصی اچھی کر لیتی ہیں آپ۔'' آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں میں برش چلاتے ہوئے کہا۔ ایماء نے سلگ کر اس کی چوڑی پشت کو گھورا۔ اس کے سر پلٹنے پر فی الفور نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔ فی الوقت وہ اس کے کسی بھی سوال کا جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھی۔

''میں نے سنا ہے پاگل خوب چیختے چلاتے ہیں' بے مقصد گفتگو کرتے ہیں' جبکہ ایماء حسن آپ تو بے مقصد تو دور کی بات بامقصد گفتگو کرنے کی بھی اہل نہیں۔''

''میں پاگل ہوں؟'' وہ رک کر کڑے تیوروں سے اسے گھورنے لگی۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں آپ خود ہی اپنے منہ سے اعتراف کر رہی ہیں۔'' وہی سلگتا ہوا لہجہ' ایماء محض بے بسی سے اسے گھور کر رہ گئی۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی اور آمنہ کا چہرہ نمودار ہوا۔ وہ کھانا لے کر آئی تھی۔

''بے جی نے کھا لیا؟'' وہ بہن سے پوچھنے لگا تو آمنہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تو پھر دستر خوان پر کھانا لگاؤ' سب اکٹھے مل کر کھاتے ہیں۔''

''وہ بھابی......'' آمنہ کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔

''انہیں بھوک نہیں ہے۔'' اس کے جواب پر آمنہ پلٹ گئی۔

''یہ آپ کا ''محسن ولاز'' نہیں ہے۔ بہتر ہوگا خود کو یہاں کے طور طریقوں کے مطابق ڈھالنا سیکھیں۔'' ایک تیکھی نظر اس پر ڈالتا ہوا وہ باہر نکل گیا۔ اس کے باہر نکلتے ہی ایماء نے بیڈ پر پڑے تکیے اٹھا کر سامنے دیوار پر دے مارے۔

''پتر! کچھ ہنسا بولا کر۔ سنگھار کیا کر۔ یہ کیا تو ہر وقت کمرے میں گھسی رہتی ہے۔'' بے جی کی بات پر اس نے پہلو بدلا۔ ''سو ملنے ملانے والے آتے ہیں۔ نئی کوار (دلہن) کو دیکھنے کا شوق تو سبھی کو ہوتا ہے۔ تو ذرا شوخ رنگوں والے' گوٹے کناری والے سوٹ پہنا کر' آخر کو میری نوں (بہو) ہے۔'' بے جی کا پسندیدہ موضوع شروع ہو چکا تھا۔

''مجھے ان بھاری کپڑوں میں گرمی لگتی ہے۔'' کچھ بھی ہو وہ بے جی سے بدتمیزی نہیں کر سکتی تھی۔

''بے جی! بھابی ٹھیک تو کہہ رہی ہیں۔ آج کل تو موسم ویسے ہی بڑا گرم ہو رہا ہے۔'' آمنہ نے بھابی کی طرفداری میں اوائل بہار کے خوشگوار دنوں کو گرم کہنے سے بھی گریز نہ کیا۔

''او تاڈا بھلا ہمارے زمانے میں تو کوار ایک سال تک گوٹے کناری والے لیڑے (کپڑے) پہنتی تھی۔''

''بے جی اب وہ زمانے نہیں رہے۔'' آمنہ مسکرائی۔ ایماء کو سخت الجھن ہو رہی تھی۔

''پھر بھی پتر تو تھوڑا بہت سنگھار تو کر لیا کر' یہی تو دن ہوتے ہیں' بننے سنورنے کے۔ مرد جب بیوی کو بنا سنورا دیکھتا ہے تو سارے دن کی تھکن دور ہو جاتی ہے۔'' بے جی آج ایماء کو قائل کر لینے کے موڈ میں تھیں۔

''اچھا' ٹھیک ہے' کر لوں گی۔'' انداز جان چھڑا لینے والا تھا۔ بے جی تو گویا کھل اٹھیں۔

''اے آمنہ! جا میری دھی کے لئے یہ گلابی رنگ کا انگارے مارتا سوٹ نکال' اور ساتھ وہ نگینے موتیوں والا پراندہ بھی۔'' ایماء تو سنتے ہی بدک اٹھی۔ اس نے تو ٹالنے کو کہا تھا مگر ماں جی تو آج عمل کرانے کے موڈ میں تھیں۔

''کہیں جانا ہے کیا؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''آج شام کو آمنہ کے سسرال والے تاریخ مانگنے آ رہے ہیں تب انہیں بھی تو پتا چلے ملکوں کی نوں لھا (بہو) کتنی سوہنی ہے۔''

شام کو وہ مارے باندھے تیار ہو گئی تھی۔ سرخ اور نارنجی امتزاج کا بھاری کامدار سوٹ اور نقلی نیکلیس۔ اب جیسے وہ شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ بے جی تو اسے دیکھ دیکھ کر نثار ہو رہی تھیں۔ آمنہ کے سسرال والوں کو ''ملکوں کی بہو'' نے خاصا متاثر کیا تھا۔ مرد تو باہر مردانے میں تھے۔

''بہن جی! نوں لھا تاں تسی رج کے سوہنی لے کے آئے ہو۔'' آمنہ کی ساس نے کوئی چوتھی بار یہ جملہ دہرایا تھا۔ بے جی فخر سے گردن اکڑائے بیٹھی تھیں۔ ایماء کا بس نہیں چل رہا تھا کہ جا کر بھاری لباس اور زیورات سے جان چھڑا لیتی۔ خدا خدا کر کے وہ لوگ رات کا کھانا کھا کر واپسی کے لئے اٹھے تو ایماء نے سکھ کا سانس لیا۔

وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی جب کوریڈور میں مڑتے ہوئے شاہ زیب ملک سے ٹکرا گئی۔

''عقل کے ساتھ ساتھ کیا آنکھیں بھی دغا دے گئیں؟'' لطیف سے لہجے میں کیا گیا طنز ایماء کو تپا گیا۔

''چلیں! آپ تو آنکھیں رکھتے ہیں۔''

''بجا فرمایا' میری بینائی کی تو آپ بھی داد دیتی ہوں گی کیونکہ میں وہ کچھ دیکھ سکتا ہوں جو دوسرے دیکھنے اور سمجھنے سے قاصر ہیں۔'' انداز ذومعنی تھا۔

''ہونہہ!'' وہ نخوت سے سر جھٹک کر آگے بڑھنے لگی تو شاہ زیب نے اس کا بازو تھام کر واپس کھینچا۔ ایماء نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ یہ اقدام بلاوجہ تو نہ تھا۔ ان آٹھ دنوں میں پہلی بار شاہ زیب نے پیش رفت کی تھی۔ ''عورت کا سجنا' سنورنا پتھر سے پتھر دل مرد کو بھی موم کر دیتا ہے۔'' بے جی کی آواز گونجی تھی۔ ایماء سراسیمگی کی کیفیت میں اسے دیکھے گئی۔

''یہ کیا گولے گنڈے جیسا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے۔ کمرے میں آنے سے پہلے منہ دھو کر آنا۔ عورتوں کے میک اپ کرنے سے سخت الجھن ہوتی ہے مجھے۔'' جھٹکے سے بازو چھوڑتا وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''ایڈیٹ! سمجھتا کیا ہے خود کو۔ جاہل۔'' غصے میں بڑبڑاتی وہ واپس پلٹ گئی۔ جلتی بھنتی وہ کافی دیر برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھی رہی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے رگوں میں خون کی بجائے لاوا دوڑ رہا ہو۔ فضا میں بلند ہوتی اللہ اکبر کی صدا پر وہ چونکی تھی۔ عشاء کی اذان ہو رہی تھی۔

''مراقبے میں سے نکل آئیے محترمہ نماز کا وقت ہو رہا ہے۔'' سر پر سفید کروشیے کی بنی ٹوپی رکھے وہ یہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ ایماء نے خونخوار نگاہوں سے اس کی چوڑی پشت کو گھورا تھا۔

❀❀❀

عشق میں تو ہر چیز مٹ جاتی ہے
بے قراری بڑھ کے نہیں تڑپاتی ہے
یاد و یاد و بس یاد رہ جاتی ہے
وہ تیری یاد

وہ جو رائٹنگ چیئر کی پشت پر سر رکھے آنکھیں موند کر زیر لب ہنستی۔ مگر ساتھ ساتھ گنگنا رہی تھی' ڈیک بند ہو جانے پر جھٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

''یہ آپ کا ''حسن ولاج'' نہیں ملک شاہ نواز کی حویلی ہے۔ اپنی گم گشتہ محبت کا ماتم منانا ہے تو خاموشی سے منایئے' ڈھنڈورا پیٹنے کی کیا ضرورت ہے۔'' کاٹ دار لہجے میں کہتا وہ بیڈ پر بیٹھ کر پیروں کو جوتوں کی قید سے آزاد کرنے لگا۔ ایماء کے تو تلووں سے لگی سر پر جا کر بجھی۔ وہ تڑپ کر اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

''کیا کہا آپ نے؟ ذرا دوبارہ فرمایئے گا۔''

''تمہارا نوکر نہیں ہوں اور اپنی بات دہرانا مجھے کبھی بھی پسند نہیں رہا۔'' قمیص کے اوپری دو بٹن کھولتے ہوئے بے حد بیزاری سے کہا گیا۔

''اور مجھے بھی ایسے جاہلانہ رویوں کی عادت نہیں ہے۔''

''آپ نے پڑھ لکھ کر جو چاند چڑھایا ہے' اس سے تو ہم جاہل ہی بھلے ہیں۔'' شاہ زیب کا تحقیر آمیز لہجہ اس کی جان جلا گیا۔

''تم ایک نہایت ہی تنگ نظر' دقیانوسی اور وحشی انسان ہو۔ کاش..... کاش میں نے پاپا کی بات نہ مانی ہوتی۔'' چلا کر کہتے ہوئے وہ پلٹنے لگی تو شاہ زیب نے جھلا کر اس کا بازو دبوچ لیا تھا۔ وہ لڑکھڑا کر اس کے پہلو میں آ گری تھی۔

''بیوی ہو' بیوی بن کر رہو۔ مجھے عورتوں کا یوں چلا چلا کر بولنا سخت ناپسند ہے۔'' اس سمے ایماء کو شاہ زیب کی سرخ سرخ نگاہوں سے بے حد خوف محسوس ہوا تھا۔

''میری شرافت کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ' سمجھیں۔'' جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑتا وہ اٹھ کر وارڈروب کی طرف بڑھ گیا تھا۔ ایماء نے اپنے بازو کو بائیں ہاتھ سے سہلایا' جہاں ابھی بھی اس کی سخت گرفت کا احساس باقی تھا۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر چلی آئی۔ شدید گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ دل بار بار بھر رہا تھا۔ بے جی اپنے کمرے میں سو رہی تھیں' جبکہ آمنہ اپنی کسی سہیلی کی بہن کی مہندی میں گئی ہوئی تھی۔ اللہ رکھی اور بوا خیراں بھی اس کے ساتھ گئی تھیں۔ آمنہ نے اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا مگر اس نے منع کر دیا تھا۔ حویلی کے پچھواڑے بنے برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی وہ بے دردی سے آنسو بہا رہی تھی۔

''شاید یہ سب پاپا کو تنگ کرنے کی سزا ہے۔'' گھٹنوں میں سر دیئے وہ ماضی کی بھول بھلیوں میں کھو گئی۔

❀❀❀

''مجھے مما کے پاس جانا ہے۔'' وہ بری طرح رو رہی تھی۔

''ہاں بیٹا' شام کو چلیں گے مما کے پاس۔'' حاجرہ بی نے پچکارا۔

''مجھے ابھی مما کے پاس جانا ہے۔'' زمین پر بیٹھ کر ٹانگیں زور زور سے پٹخنے لگی تو حاجرہ بی نے سر پیٹ لیا۔ وہ صبح سے یونہی ضد کر رہی تھی۔ تبھی احسن بیگ نے اندر قدم رکھا۔

''کیا ہوا حاجرہ بی؟ ایماء کیوں رو رہی ہے؟'' وہ فوراً گھبرا اٹھے تھے۔

''پاپا مجھے مما کے پاس جانا ہے۔'' اس سے پہلے کہ حاجرہ بی جواب دیتیں۔ وہ دوڑ کر پاپا کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔ حسن بیگ کے چہرے پر یکلخت غمگین سے تاثرات ابھر آئے۔ عزیز از جان شریک حیات کی جدائی کا غم تو وہ بھی سہہ رہے تھے ایماء تو پھر بچی تھی۔ محض چھ برس کی۔ ایماء نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔ کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھاتی تھی۔ حسن بیگ کی ایک ہی بہن تھیں جو ان سے دس برس بڑی تھیں ارجمند خاتون کی شادی خالہ زاد ملک شاہ نواز سے ہوئی تھی' ان کے بعد اخلاق بیگ تھے جو عرصہ دراز سے جرمنی میں مقیم تھے' حسن بیگ سب سے چھوٹے تھے۔ ان کا اپنا امپورٹ ایکسپورٹ لیدر گڈز کا بزنس تھا۔ وہ کراچی میں مقیم تھے۔ میمونہ ان کی کلاس فیلو تھیں۔ دونوں نے پسند کی شادی کی تھی۔ میمونہ کا ساتھ پا کر حسن بیگ بے حد خوش تھے مگر یہ خوشی انہیں راس نہ آ سکی اور شادی کے محض سات برس بعد وہ دل کے عارضے میں مبتلا ہو کر انہیں داغ مفارقت دے گئیں۔ چند دنوں میں ہی ایماء نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔ ارجمند بانو اپنا گھر بار چھوڑ کر وہاں کیسے رہ سکتی تھیں۔ ایماء ابھی چھوٹی تھی اور اسے سنبھالنا اکیلے حسن بیگ کے لئے بے حد مشکل تھا۔ حاجرہ بی کو بھی وہ خاطر میں نہ لاتی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ بہل تو گئی مگر حد سے زیادہ لاڈ پیار کی وجہ سے ضدی اور ڈھیٹ بن گئی۔ ارجمند بانو اکثر و بیشتر چکر لگایا کرتی تھیں مگر ایماء تو ان کو بھی خاطر میں نہ لاتی تھی۔

''افضال' کب تک یوں کلا (اکیلا) رہے گا۔ اب تجھے دوسری شادی کر لینی چاہئے۔'' میمونہ کی چوتھی برسی کے بعد ارجمند بانو نے کہا تو حسن بیگ چونک کر ان کی شکل دیکھنے لگے۔

''آپا! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

''تو میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کہی۔''

''مگر میں میمونہ سے بے وفائی نہیں کر سکتا۔''

''چھڈ مرنے والوں سے بے وفائی کا خیال ہے اور اپنی دھی کا خیال نہیں ہے تجھے۔''

''کیا ہوا ہے اسے' ٹھیک تو ہے۔''

''کچھ عقل کو ہاتھ مار' دھی سیانی ہے' کل کو جوان ہو جائے گی' سو مسئلے ہوتے ہیں جو وہ صرف اپنی ماں کو بتا سکتی ہے۔''

''کیا سوتیلی ماں اسے وہ پیار دے سکے گی جو اس کا حق ہے؟''

''کیوں نہیں' ابھی دنیا چنگے لوگوں سے خالی نہیں ہوئی۔''

''ٹھیک ہے آپا جیسے آپ کی مرضی۔'' انہوں نے مزید بحث کا ارادہ ترک کر کے ہتھیار ڈال دیئے۔ شاید وہ بھی تنہائی سے گھبرا گئے تھے اور پھر چند ہی ہفتوں میں سعدیہ بیگم ان کی شریک حیات بن کر ''حسن ولا'' آ گئیں۔ وہ بے حد اچھی بیوی ثابت ہوئی تھیں' حسن بیگ کو ان سے کوئی گلہ نہ تھا۔ مگر شروع دن سے وہ ایماء کے لئے اپنے دل میں جگہ نہ بنا پائیں۔ ایک دو بار انہوں نے ایماء کو پیار سے سمجھانے کی کوشش کی مگر ایماء کی ڈھٹائی اور ضد پر وہ چپ ہو گئیں۔ ایماء تیرہویں سال میں تھی' باپ کی دوسری شادی پر اسے خوشی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے سعدیہ بیگم کو ''اسٹیپ مدر'' کا جو خطاب دیا تھا' اسے سعدیہ بیگم اس سے بھی کہیں بری لگا کرتی تھیں۔ وہ ان سے بات کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔ دونوں میں ایک سرد جنگ سی جاری تھی۔ زبان سے وہ کچھ نہ کہتی تھیں' حسن بیگ کے سامنے ایماء سے پیار جتانے کی کوشش ضرور کیا کرتی تھیں ایماء تب بھی خاموش رہا کرتی تھی۔ مگر سعدیہ بیگم کو جلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی۔ جب وہ حسن بیگ کے شانے سے لگ کر نت نئی فرمائشیں کیا کرتی تھی تو سعدیہ بیگم کے چہرے کے تاثرات اسے خوب مزہ دیتے تھے۔ اس کی زندگی میں ہلچل تب مچی جب ایک نیا وجود اس گھر کا حصہ بنا۔ سعد اور پھر فروا کی آمد سے سعدیہ بیگم کی پوزیشن ایک دم مضبوط ہو گئی۔ اب انہیں کوئی ڈر نہ تھا۔ ایما جب حسن بیگ کو بچوں سے پیار کرتا دیکھتی تو سلگ کر رہ جاتی۔ رفتہ رفتہ وہ حسن بیگ سے بھی دور ہوتی چلی گئی۔ ہٹ دھرمی اور ضد اس کے مزاج کا حصہ بن چکی تھی۔ سعد اور فروا سے بھی وہ نفرت کرتی تھی۔ سعدیہ بیگم کا رویہ روز اول کی طرح تھا انہیں اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ وہ کیا کرتی ہے' کہاں جاتی ہے' وغیرہ وغیرہ۔ حسن بیگ دن رات بزنس میں مصروف رہتے تھے۔ ایماء سے ان کی ملاقات اکثر تب ہوا کرتی تھی جب ایماء کو روپوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ وہ اب کالج کی طالبہ تھی' کالج میں بھی وہ نک چڑھی اور منہ پھٹ مشہور تھی' آئی سی ایس کے بعد اس نے بی سی ایس میں ایڈمیشن لے لیا۔ یونیورسٹی میں اس کی ملاقات ہارون رضا سے ہوئی۔ وہ ایم۔ ایس۔ سی فائنل کا اسٹوڈنٹ تھا۔ دونوں کی پہلی ملاقات شاپنگ مال میں ہوئی تھی۔

''ایکسکیوزمی محترمہ!'' ایماء نے پلٹ کر دیکھا۔

''جی مجھ سے کچھ کہا آپ نے؟'' گاگلز سر پر ٹکاتی وہ خاصی مغرور لگتی تھی۔

''یہ شاپنگ بیگ میرا ہے۔'' ایماء کے ہاتھ میں پکڑے لفافے کی طرف اشارہ کیا۔

''واٹ؟'' وہ تنک کر بولی۔

''جی ہاں۔''

''یو مین' میں چور ہوں؟'' کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا میں تو.....''

urdunovels.net

''تو پھر کیا مطلب تھا۔''

''دیکھئے مس آپ خواہ مخواہ ناراض ہو رہی ہیں۔''

''آپ مجھے چور کہہ رہے ہیں اور میں احتجاج بھی نہ کروں۔

''اف! پھر وہی مرنے کی ایک ناٹک۔ عجیب احمق خاتون ہیں آپ۔''

''واٹ؟'' ایماء کے تو تلووں سے لگی سر پر جا کر بجھی۔

''ایکسکیوزمی میم' آپ اپنا بیگ کاؤنٹر پر بھول گئی تھیں۔'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی' ایک سیلز مین شاپنگ بیگ اٹھائے اس کی طرف آیا۔ ایماء نے اپنے ہاتھ میں موجود شاپنگ بیگ پر نظر ڈالی تو کھسیا کر رہ گئی۔ بیگ میں سے جھانکتے مردانہ کپڑے اسے شرمندہ کر گئے۔ ہارون رضا نے بیگ واپس اچکاتے ہوئے ایک طنزیہ نگاہ اس پر ڈالی اور بنا کچھ کہے اس کے ہاتھ سے بیگ لے کر آگے بڑھ گیا یہ ان کی پہلی ملاقات تھی۔

دوسری ملاقات یونیورسٹی میں سومیہ کے توسط سے ہوئی تھی۔ سومیہ اس کی فرینڈ تھی' اس کا کزن ایم۔ بی۔ ایس فائنل کا اسٹوڈنٹ تھا۔

''ہیلو عماد بھائی کیسے ہیں آپ؟'' لائبریری سے نکلتے عماد کو دیکھتے ہی سومیہ نے کہا تھا۔ ایماء بھی اس پر مسکرا دی تھی۔

''فرسٹ کلاس' تم سناؤ' پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟''

''ابھی تو اسٹارٹ ہے' ارے میں تعارف کروانا تو بھول ہی گئی۔ یہ میری فرینڈ ایماء ہے' اور ایماء یہ عماد بھائی ہیں۔ میری خالہ کے بیٹے۔'' سومیہ نے تعارف کی رسم نبھائی' دونوں نے فقط سر ہلا کر سلام کیا۔

''عماد چلو یار' یہ بکس تو ایشو کروالیں' میں نے اور......'' لائبریری سے نکلتا وہ شخص ایک لمحے کو ٹھٹک کر رکا تھا' ایماء نے سرسری سی نظر اس پر ڈالی اور بے نیازی چونکہ جتاتی رہی' حالانکہ وہ اسے پہچان چکی تھی۔

''اے ہارون! یہ سومیہ ہے میری کزن اور یہ ایماء' سومیہ کی فرینڈ۔'' ہارون رضا تو ایماء حسن سے بھی بڑھ کر بے نیاز اور بے مروت ثابت ہوا تھا۔ عماد کے تعارف کروانے پر فقط رسمی انداز میں سر ہلا دیا۔ ایماء کی طرف تو دیکھا بھی نہیں۔

''میں پیچھے تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ جانے کیوں ایماء کو اپنی شدید انسلٹ محسوس ہوئی۔ عماد اور سومیہ باتیں کر رہے تھے جبکہ ایماء کی نظریں لمحہ بہ لمحہ دور ہوتے ہارون رضا کے تعاقب میں تھیں۔

''ڈیم اٹ......'' دل ہی دل میں بڑبڑاتی وہ سومیہ اور عماد کی طرف متوجہ ہو گئی۔

ہارون رضا کا تعلق کھاتے پیتے گھرانے سے تھا۔ وجاہت اور رکھ رکھاؤ مستزاد اس پر ریزرو نیچر نے اس کی شخصیت میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ اکثر اوقات ایماء اور اس کا آمنا سامنا ہوتا رہتا تھا مگر وہ یوں پاس سے گزر جاتا تھا جیسے جانتا ہی نہ ہو۔ یونیورسٹی کی دیگر لڑکیوں کی طرح ایماء کو بھی وہ اچھا لگنے لگا تھا۔ جتنا وہ لڑکیوں سے بے نیاز نظر آتا تھا' لڑکیاں اتنا ہی اس کے پیچھے بھاگا کرتی تھیں۔ مگر ایماء حسن نے کبھی سومیہ کو بھی اپنے دل کی بات نہیں بتائی تھی۔ ایم۔ بی۔ ایس فائنل والے اب یونیورسٹی سے جا چکے تھے مگر ہارون رضا کا نام اب بھی لیا جاتا تھا۔

اس روز وہ یونیورسٹی سے گھر گئی تو پاپا اور سعدیہ بیگم کو لاؤنج میں بیٹھے پایا' حسن بیگ خلاف معمول گھر پر موجود تھے۔

''لیجئے آ گئی آپ کی لاڈلی' خود ہی پوچھ لیجئے۔'' سعدیہ بیگم یہ کہتیں اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئیں۔

''ایماء' یہاں بیٹھو۔'' کچھ تھا پاپا کے لہجے میں جس نے اسے ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''جی پاپا۔''

''ہارون رضا کون ہے؟'' حسن بیگ کے منہ سے یہ نام سن کر وہ چونکی تھی۔

''کون پاپا؟''

''تو مت مجھے بتاؤ' کب سے جانتی ہو اسے؟''

''پاپا وہ ہماری یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔''

''آئی سی۔'' حسن بیگ پرسوچ انداز میں پیشانی پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

''کب سے چل رہا ہے یہ چکر؟''

''کیسا چکر پاپا؟''

''ایمی مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوشش مت کرنا۔'' ایماء تو حسن بیگ کا رویہ دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔

''پلیز کھل کر کہیں آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔'' وہ روہانسی ہو گئی تھی۔ تبھی حسن بیگ کے موبائل کی رپ بجی تو وہ اٹھ کر باہر چلے گئے۔ ایماء کا تو برا حال ہو رہا تھا۔ وہ الجھ سی گئی تھی۔

''پاپا مجھ سے ایسے کیوں بات کر رہے ہیں تھے؟'' اپنی الجھن رفع کرنے وہ سعدیہ بیگم کے پاس چلی آئی تھی جنہیں عام حالات میں وہ مخاطب کرنا بھی پسند نہ کرتی تھی۔

''مجھے نہیں معلوم۔''

''آپ جانتی ہیں' مجھے بتائیں اصل بات کیا ہے؟'' وہ بے تاب ہو کر بولی۔

''تم تو یوں کہہ رہی ہو جیسے کچھ جانتی ہی نہیں۔''

''مائی گاڈ! اب اگر آپ نے مجھے نہ بتایا تو میں اس گھر کو آگ لگا دوں گی۔'' وہ بھڑک اٹھی۔

''ایماء! یہ کیا طریقہ ہے بڑوں سے بات کرنے کا۔'' تبھی حسن بیگ نے اندر قدم رکھا تھا۔

''دیکھ لیا آپ نے اپنی آنکھوں سے' یہ ہے۔ ایسے ہی بدتمیزی کرتی ہے میرے ساتھ۔ اگر میں کچھ کہتی تو کہا جاتا کہ سوتیلی ماں ہے۔'' سعدیہ بیگم بھرائی آواز میں بولیں تو ایماء انہیں گھور کر رہ گئی۔

''مگر پاپا میں تو''

''گو ٹو یور روم۔'' حسن بیگ کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ وہ مزید کچھ کہے بنا وہاں سے اٹھ چلی گئی۔

''ایمی آپی!'' وہ اپنے کمرے میں تھی جب فروا نے دروازہ ناک کرتے ہی اندر جھانکا تھا۔

''کیا ہے؟'' انداز پھاڑ کھانے والا تھا۔ دوپہر سے شام ہو گئی تھی اور تب سے وہ مسلسل ایک ہی بات کو سوچے جا رہی تھی۔ ''پاپا کونسے چکر کی بات کر رہے تھے' کیا ہارون رضا اور میں...... مگر ہم نے تو کبھی ایک دوسرے سے رسمی گفتگو بھی نہیں کی۔'' وہ جتنا سوچتی' اتنا الجھنے لگتی۔

''پاپا بلا رہے ہیں آپ کو۔'' یہ کہتے ہی وہ بھاگ گئی۔ ایماء منہ پھلائے حسن بیگ کے کمرے میں داخل ہوئی۔

''آؤ بیٹھو۔'' دوپہر کی نسبت اب ان کا موڈ بہتر تھا۔ وہ صوفے پر ٹک گئی۔ سعدیہ بیگم بھی سامنے ہی بیٹھی تھیں۔

''تم جانتی ہو آج کون آیا تھا؟'' پاپا نے بات شروع کی۔

''یہ جانتی ہے۔'' سعدیہ بیگم نے لب کشائی کی۔

''آپ مجھے بات کرنے دیجئے۔'' حسن بیگ کے ٹوکنے پر وہ منہ بناتے ہوئے خاموش ہو گئیں۔

''آج ہارون رضا کی بھابی آئی تھیں۔'' ایماء نے چونک کر دیکھا۔

''جی؟'' حیرت کے مارے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''مگر انہوں نے جس انداز اور لہجے میں بات کی' اسے یاد کر کے تو ڈوب مرنے کو جی چاہتا ہے۔ جانتی ہو انہوں نے تم پر کس قدر گھٹیا الزامات لگائے ہیں۔ تمہارے کردار پر کیچڑ اچھالی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ تم نے ہارون کو اکسایا ہے کہ وہ اپنی منگیتر سے منگنی توڑ کر تم سے شادی کر لے۔'' پاپا بول رہے تھے اور وہ منہ کھولے سن رہی تھی۔

''مگر پاپا......''

''وہ تو یہاں تک کہہ رہی تھی کہ تم دونوں...... میرے منہ میں خاک...... کورٹ میرج کرنے والے تھے۔'' سعدیہ بیگم نے گویا کوئی بم پھوڑا تھا اس کے سر پر۔

''جھوٹ ہے یہ...... میں تو......''

''ابی! اگر ایسی کوئی بات تھی تو مجھے بتایا ہوتا۔ میں خود تمہیں باعزت طریقے سے رخصت کرتا۔
حسن بیگ کا لہجہ جھکا جھکا سا تھا۔ ایماء نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ ان کے لہجے سے اسے شک کی بو آئی تھی۔
''پاپا آپ بھی......''
''وہ عورت ہمارے ہی گھر میں ہمیں ایک کی دس سنا کر گئی ہے۔ یہاں تک کہہ ڈالا کہ بیٹی کو نکیل ڈال کر رکھیں' جانے کتنوں کے گھر اجاڑے گی۔ تو بہ تو بہ ہم تو بھر پائے ایسی ذلت سے۔'' سعدیہ بیگم بول رہی تھیں مگر ایماء کی نظریں حسن بیگ پر جمی تھیں۔ گویا وہ اپنی بیٹی کو ہی مجرم سمجھتے تھے۔
''سعدیہ بیگم! کسی کو کہہ سن کر کوئی اچھا سا رشتہ دیکھیں۔ میں جلد از جلد ایماء کو رخصت کر دینا چاہتا ہوں۔'' کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے حسن بیگ کو کہتے سنا تھا۔ دل پر منوں بوجھ آ گرا تھا۔ اس روز اسے شدت سے ماں کی کمی محسوس ہوئی تھی اور وہ اس رات سو نہیں سکی تھی۔ اور تب اس کے دل نے بغاوت کا فیصلہ کیا' صبح تک وہ بالکل نارمل ہو چکی تھی۔ روزمرہ کی طرح ناشتہ کیا اور یونیورسٹی بھی گئی یوں جیسے کل کا دن بیچ میں آیا ہی نہ ہو۔
''ہارون رضا کی بھابی نے ایسا کیوں کہا؟ بھلا میرا اس سے کیا تعلق ہے؟'' بس یہی الجھن وہ سلجھانہ پا رہی تھی۔ سومیہ بھی چھٹیوں پر تھی۔ اس بات کو دو ہفتے ہو گئے تھے' جب ایک روز اس کی مڈبھیڑ ہارون رضا سے ہو گئی تھی۔ وہ شاید کسی کام سے یونیورسٹی آیا ہوا تھا۔ ایماء کو دیکھ کر اس کی رگیں تن گئیں۔ وہ آگے بڑھنے لگا جب ایماء نے پکار لیا۔
''ایکسکیوزمی مسٹر رضا' مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔''
''مگر میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔''
''آپ کو میری بات سننا ہوگی۔''
''میرا خیال تھا کہ آپ منہ پھٹ اور ضدی ہیں مگر مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اس قدر بدتمیز اور بیہودہ لڑکی ہیں۔''
''اپنی زبان سنبھالئے مسٹر۔''
''اچھا' اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟'' وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔
''ایک تو آپ کی بھابی محترمہ میرے ہی گھر میں مجھ پر اتنے گھٹیا الزامات لگا کر گئی ہیں اوپر سے آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ زبان سنبھال کر بات کروں۔''
''جھوٹ مت بولیں محترمہ۔ میری بھابی سے بدتمیزی آپ نے کی ہے۔''
''اف! کس قدر جھوٹے انسان ہیں آپ۔ آپ کی بھابی سے تو میں ملی تک نہیں۔''
''واٹ؟ خود کو بچانے کے لئے آپ اور کتنے جھوٹ بولیں گی؟''
''میں کبھی جھوٹ نہیں بولتی سمجھے آپ۔ خوش فہمیوں کی دنیا سے نکل آیئے مسٹر۔ میں نے کب آپ سے کورٹ میرج کر لینے کے عہد و پیماں کئے تھے اور کب آپ کو مجبور کیا تھا کہ آپ میری خاطر اپنی منگیتر کو چھوڑ دیں۔''
''یہ سب......''
''آپ کی بھابی محترمہ میرے گھر میرے والدین سے یہ سب کہہ کر آئی ہیں مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اس قدر گرے ہوئے انسان ہیں۔''
''اوہ شٹ اپ' مجھے آوارہ' لوفر اور ریچ خاندان کا کمینے والی تم کون ہوتی ہو؟''
''یہ میں نے کب کہا؟''
''چوری کے ساتھ ساتھ جھوٹ بھی آپ کی فطرت میں شامل ہے۔ میں نہیں مانتا کہ میری بھابی نے یہ سب کہا ہوگا۔''
''تو مت مانیں۔ مجھے پروا نہیں۔'' سر جھٹکتی وہ وہاں سے چلی گئی۔ دماغ گویا کھول رہا تھا۔ دل بھڑ بھڑ جل رہا تھا۔
''اف تو بہ' کس قدر دوغلا شخص ہے۔'' گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ ''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کی بھابی ڈبل گیم کھیل رہی ہو مگر وہ بھلا ایسا کیوں کرے گی؟ اوہ اتنے سکون سے گزر رہی تھی زندگی' پتہ نہیں یہ منحوس ہارون رضا بیچ میں کہاں سے آ گیا۔'' وہ جتنا سوچتی' اس شخص سے تنفر ہوتی۔ شومئی قسمت کہ گھر گئی تو کچھ لوگ اس کے رشتے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ حسن بیگ اور سعدیہ بیگم ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس غصے کے عالم میں وہ ان کے سامنے گئی تھی اور بلا ارادہ ہی بدتمیزی کر بیٹھی۔ لڑکے کی والدہ اور بہن کے سوالوں کے جوابات ترخ ترخ کر دیئے۔ نتیجتاً وہ جاتے ہوئے صاف کہہ گئے کہ انہیں اپنے لڑکے کا رشتہ یہاں نہیں کرنا۔
''ایماء! بدتمیزی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔'' سعدیہ بیگم نے کہا تھا۔
''میں ایسی ہی ہوں۔ مجھ سے نہیں ہوتے خوش اخلاقی کے ڈرامے۔'' لٹھ مار انداز میں کہتی وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تو حسن بیگ اور سعدیہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

❁ ❁ ❁

''کیا بتاؤں آپا! اس لڑکی نے تو جینا حرام کر دیا ہے۔ ایک طرف یہ لڑکی بار تو جان لی ہے تو دوسری طرف اس کے باپ نے مجھ پر اس کا رشتہ تلاش کرنے کی ذمے داری ڈال رکھی ہے۔''
''تو ٹھیک ہے ناں تم بھی جلد سے جلد اس کو یہاں سے رخصت کرنے کی کرو۔''
''ارے آپا آپ نہیں جانتیں پوری فتنی ہے یہ لڑکی۔ جو رشتہ آتا ہے ایک بار۔ پھر بعد لوٹ کر دوبارہ پلٹ کر نہیں آتے۔ یہ ایسی اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتی ہے لوگوں کے سامنے کہ وہ لوگ پھر مڑ کر نہیں دیکھتے۔''
''اے ہے' کیا لڑکی پاگل ہو گئی ہے۔ میرا مطلب ہے کسی دماغی امراض کے ڈاکٹر کو دکھاؤ۔ یوں تو یہ لڑکی سدا تمہارے سینے پر ہی مونگ دلتی رہے گی۔''
''کیا کروں آپا! ایک بار حسن سے بات کی تھی تو وہ بھڑک اٹھے۔ الٹا مجھ پر چڑھ دوڑے کہ ان کی بیٹی کو پاگل کہہ رہی ہوں۔''
''تو کیا اسے بیٹی کی حرکتیں نظر نہیں آتیں؟''
''سب معلوم ہے مگر کچھ کہتے نہیں' تو بقیق ہیوی کی انتہا ہوتی ہے۔'' سعدیہ بیگم کا لہجہ زہر خند ہو رہا تھا۔ باہر کھڑی ایماء کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ اتفاقاً ڈرائنگ روم کی طرف آ گئی تھی' جہاں سعدیہ بیگم اپنی بڑی بہن سے باتوں میں مصروف تھیں۔ وہ سر جھٹکتی آگے بڑھ گئی۔ شادی۔ کم از کم اسے ایک ہی چڑ ہو گئی تھی اسے۔ بہتیرے رشتے آئے مگر کوئی دوسری بار نہیں آیا۔ وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ کوئی عام سی شکل و صورت کی لڑکی تھی' حسن و جمال میں یکتا تھی اور بڑے باپ کی بیٹی بھی تھی مگر اصل وجہ یہ تھی کہ وہ رشتے کے لئے آنے والوں کے ساتھ ایسا رویہ رکھتی تھی کہ وہ اسے پاگل سمجھنے لگتے تھے' کبھی اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتی' اچانک زور زور سے ہنسنا شروع کر دیتی' یا پھر معصومیت سے بالکل فضول اور بچگانہ سوال کرتی کہ چاندسی بہو یا بھابی کی تلاش میں آنے والیاں سٹپٹا کر رہ جاتیں۔ یہ سب وہ محض سعدیہ بیگم کو چڑانے کے لئے کر رہی تھی۔ اور جب سے حسن بیگ نے سعدیہ بیگم کو اس کے لئے رشتہ تلاش کرنے کا کہا تھا' اسے لگا کہ پاپا اسے بوجھ سمجھ کر سر سے اتار پھینکنا چاہتے ہیں۔ ان دنوں ماں کی کمی شدت سے محسوس ہونے لگی تھی۔ ایک سال ہونے کو آیا تھا' اب تو رشتے آنا بھی بند ہو گئے تھے کیونکہ یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ حسن بیگ کی بیٹی کا دماغی توازن خراب ہے۔ حسن بیگ نے سنا تو ان کی پریشانی مزید بڑھ گئی۔ جبکہ ایماء کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ان دنوں اس کا ایم۔ سی۔ ایس کا فرسٹ سمسٹر چل رہا تھا' تب پورے ایک سال بعد اس نے ہارون رضا کو پرنسپل آفس سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اس وقت لیکچر بنک کر کے سومیہ کے ساتھ کینٹین کی طرف جا رہی تھی۔ سامنے سے آتے ہارون رضا نے بھی ان کو دیکھا تھا' ایماء نا گواری سے سر جھٹکتے پاس سے گزرنے لگی جب ہارون رضا راہ میں حائل ہو گیا۔ ایماء نے ابرو اچکاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔
''ہیلو کیسی ہیں آپ؟'' اس کا انداز دوستانہ تھا۔ گویا کبھی کچھ ہوا ہی نہ ہو۔
''کون ہو تم؟'' ایماء نے تو بیگانگی کی انتہا کر دی تھی۔
''میرا خیال ہے ایک سال کا عرصہ اتنا طویل تو نہیں ہوتا کہ کوئی کسی کو شناخت نہ کر پائے۔''
''چلو سومیہ لیکچر کا وقت ہو رہا ہے۔'' وہ پلٹنے لگی تو ہارون نے پکار لیا۔
''مس ایماء! مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔''
''مگر مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔''
''پلیز' محض آدھا گھنٹہ درکار ہے مجھے۔''

''ایماء! تم بات کرلو میں کلاس میں جا رہی ہوں۔'' سومیہ نے ایماء کا بازو دباتے ہوئے کہا' گویا اشارہ دیا کہ وہ ہارون کی بات سن لے۔ جانے ایماء کے دل میں کیا سمائی کہ وہ چپ چاپ اس کی بات سننے پر راضی ہوگئی۔

''میں نے سنا تھا کہ آپ......'' ہارون نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ لوگ گارڈن میں بنے لکڑی کی بینچ پر بیٹھ چکے تھے۔

''کہ میں پاگل ہوگئی ہوں اور اب آپ مجھے دیکھ کر تصدیق کرنے آئے ہیں۔'' وہ تڑخ کر بولی۔

''نن نہیں ..... بات تو کچھ اور ہے۔'' ایماء کے انداز پر ایک لمحے کو وہ گڑبڑا گیا۔

''مسٹر رضا! آپ کو جو کہنا ہے جلدی کہیں میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

''آپ جانتی ہیں ایک برس پہلے میں نے آپ کے گھر اپنا پروپوزل بھجوایا تھا۔'' ہارون کی بات پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ ایسی کوئی بات تو اس کے علم میں نہیں تھی۔ ہارون کی بھابی آئی ضرور تھیں مگر ان کا مقصد رشتہ مانگنا تو نہیں تھا۔ وہ تو وارننگ دینے آئی تھیں۔

''میری والدہ کا بہت پہلے انتقال ہوگیا تھا۔ ہم دو ہی بھائی ہیں۔ آپ مجھے اچھی لگیں تو میں نے اپنی بھابی کو آپ کے گھر رشتہ لینے کے لئے بھیجا۔ یہاں میں نے غلطی یہ کی کہ آپ سے پوچھے بغیر انہیں آپ کے ہاں بھیج دیا۔ جب بھابی وہاں سے آئیں تو گھر آ کر خوب رونا دھونا مچایا۔ مجھے یہ بتایا گیا کہ آپ نے نہ صرف میری بھابی کی انسلٹ کی ہے بلکہ مجھ پر اور میرے خاندان تک پر کیچڑ اچھالی ہے' مجھے اوور کریکٹر تک کہنے سے گریز نہیں کیا' یہ سب سن کر میرا خون کھول اٹھا' چونکہ آپ کی اور میری ملاقاتیں کچھ اچھے حالات میں نہیں ہوئی تھیں' اسی کو مدنظر رکھ کر میں نے یہ سب سچ مان لیا۔ مجھے اپنی پسند پر افسوس ہونے لگا تھا۔ شاید میں تمام عمر اسی غلط فہمی میں مبتلا رہتا اگر چند روز پہلے بھابی اور ان کی والدہ کی گفتگو نہ سن لیتا۔ بھابی کی خواہش تھی کہ میری شادی ان کی چھوٹی بہن سے ہو مگر جب میں نے آپ کا نام لیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔ خوش قسمتی آپ کی والدہ یعنی مسز سعدیہ بیگ میری بھابی کی رشتے کی خالہ لگتی ہیں اور پھر دونوں نے مل کر پلان بنایا جو کامیاب ہوگیا۔ ادھر مجھے آپ کے خلاف بھڑکایا گیا تو ادھر آپ کو میرے خلاف۔ میری قسمت اچھی تھی جو میں نے ان دونوں کی گفتگو سن لی ورنہ چند روز تک بھابی میرا رشتہ اپنی بہن سے پکا کرنے والی تھیں۔ آج کسی کام سے پٹیل صاحب کے پاس آیا تو آپ پر نظر پڑ گئی۔ شاید ہمارا ساتھ مقدر میں نہ ہو مگر میں نہیں چاہتا کہ آپ مجھے ساری زندگی برے لفظوں میں یاد کریں' بس اسی لئے آپ کو اصل بات سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔'' وہ خاموش ہوگیا ایماء تو گویا سکتے میں تھی۔ اس نے ایک بار یہ ضرور سوچا تھا کہ ہارون رضا کی بھابی ڈبل گیم کھیل رہی ہیں مگر سعدیہ بیگم بھی اس کھیل کا حصہ ہوں گی اس کی امید اسے نہ تھی۔

''ایماء! آپ مجھے کل بھی اچھی لگتی تھیں اور رہیں گی۔ میرے دل میں آپ کے لئے ایک خاص مقام رہے گا۔ میں نے خلوص نیت سے آپ کا ہاتھ مانگنا چاہا تھا مگر......''

''کیا آپ اپنا پروپوزل دوبارہ بھجوا سکتے ہیں؟'' ہارون کا جملہ قطع کر کے ایماء نے کہا تو ہارون نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ شاید ایماء خود بھی نہیں جانتی تھی کہ یہ جملہ اس کے منہ سے کیسے نکلا تھا۔

''جی!''

''ہاں یا ناں؟''

''مگر......''

''ہاں یا ناں؟''

''اوکے۔ اس بار میری پھوپو اور میرے بھائی آپ کے ہاں آئیں گے۔'' ہارون رضا کا چہرہ کھل اٹھا تھا جبکہ ایماء کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ اس کے دل میں ہارون رضا کے نام سے کوئی شوریدہ سری نہ جاگی تھی۔ گھر آئی تو ارجمند بانو موجود تھیں۔

''السلام علیکم پھوپو!'' انداز میں کوئی گرم جوشی نہ تھی۔ ارجمند بانو بمشکل سال میں ایک دو بار ہی آپاتی تھیں اور ایماء کی ان سے فقط سلام دعا تک کی ملاقات ہوتی تھی۔ ارجمند بانو تو ہمیشہ اس سے بڑے پیار سے ملا کرتی تھیں مگر وہ شاید رشتوں کو برتنے اور نبھانے کے فن سے عاری تھی' حتیٰ کہ انہوں کی اپنائیت کو بھی محسوس نہ کر پاتی تھی یا شاید کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ہٹ دھرمی اس کی فطرت کا خاصہ بن چکی تھی۔

''وعلیکم السلام۔ میں صدقے! میری دھی آ گئی۔'' ارجمند بانو نے بڑھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ ''کیسی ہے پتر؟''

''میں ٹھیک ہوں' آپ کیسی ہیں؟''

''الحمد اللہ' مولا کا بڑا کرم ہے۔''

''میں کھانا لگواتی ہوں۔'' سعدیہ بیگم اٹھ کر چلی گئیں۔ کھانے کی میز پر ہی اس کی ملاقات شاہ زیب ملک سے ہوئی تھی۔ گویا پھوپو اس بار تنہا نہیں آئی تھیں۔ ایماء نے سرسری سا سلام کیا تھا جس کا اس نے فقط سر ہلا کر جواب دیا تھا۔ پاپا بھی موجود تھے۔ کھانا بڑے خاموش سے ماحول میں کھایا گیا۔

''ایمی پتر' کہاں جا رہی ہو۔ میرے پاس تو بیٹھو۔'' کھانا ختم کر کے وہ اٹھ کر جانے لگی تو ارجمند بانو نے پکارا۔

''پھوپو..... اس وقت میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔ شام کو آپ سے باتیں کروں گی۔'' ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔ شاہ زیب نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا پھر ناگواری سے نظر پھیر لی۔ حسن بیگ کی خشمگیں نگاہوں کو نظر انداز کرتی وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''بُرا مت منائیے گا آپا' آج کل اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔'' سعدیہ بیگم نے جامد خاموشی کو توڑا۔

''خیر تو ہے حسن' تم نے تو مجھے کچھ نہیں بتایا۔'' ارجمند بانو فکرمند ہوگئیں۔

''بس آپا کیا بتاؤں۔'' حسن بیگ نے سرد آہ بھری۔ وہ مختصراً ارجمند بانو کو سب کچھ بتانے لگے۔ ارجمند بانو کے ساتھ ساتھ شاہ زیب بھی یہ سب سن رہا تھا مگر فرق صرف اتنا تھا کہ اس کے تاثرات ارجمند بانو سے قطعی مختلف تھے۔

❋ ❋ ❋

ہارون رضا کی پھوپھی اور بھائی ہارون کا رشتہ لے کر آئے تھے۔ سعدیہ بیگم حیران تھیں تو حسن بیگ کو خوب تاؤ آیا تھا۔ انہوں نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا تھا یہ کہہ کر کہ وہ ایماء کا رشتہ کہیں اور طے کر چکے ہیں۔ ایماء اس بات سے لاعلم رہی کہ ہارون رضا کے گھر والے آ کر چلے بھی گئے تھے۔ وہ تو ہارون رضا کے فون کرنے پر اسے حقیقت معلوم ہوئی۔

''آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں ایماء؟''

''کیا؟''

''یہی کہ آپ کی منگنی ہو چکی ہے۔''

''واٹ؟ یہ آپ سے کس نے کہا؟'' وہ تقریباً چلائی تھی۔

''آج میرے گھر والے آپ کے ہاں آئے تھے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں۔'' وہ کچھ تلخ ہوگیا۔

''نہیں' مجھے تو کسی نے کچھ نہیں بتایا۔'' اسے زندگی میں پہلی بار اپنی لاعلمی پر غصہ آنے لگا۔

''آپ کے والد صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ آپ کا رشتہ آپ کے پھوپھی زاد سے طے کر چکے ہیں۔ کیا یہ بات بھی آپ نہیں جانتیں؟'' ہارون کا لہجہ کچھ عجیب سا ہوگیا۔

''دیکھئے مسٹر رضا' مجھے جھوٹ بولنے کی عادت ہے نہ ہی وضاحتیں دینے کا شوق۔'' یہ کہہ کر اس نے کھٹاک سے فون بند کر دیا۔ دل میں گویا لاوا دہک رہا تھا۔ اس کی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ اس سے بنا پوچھے کر دیا گیا تھا۔ اور اسے کچھ معلوم ہی نہ تھا۔ اوہ تو گویا پھوپو اپنے اس جاہل بیٹے کے ساتھ اس بار اس مشن پر آئی ہیں۔'' وہ محض دانت پیس کر رہ گئی۔ پھر کچھ سوچ کر تن فن کرتی حسن بیگ کے کمرے کی طرف بڑھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اندر داخل ہوتی' اندر سے آتی آوازوں پر اس کے قدم تھم گئے۔

''آپا' میں ٹوٹ چکا ہوں' یہ لڑکی میری جان لے کر چھوڑے گی۔''

''نہ ایسے نہیں بولتے۔ وہ دھی ہے تیری' بس ذرا لاڈ پیار میں بگڑ گئی ہے تو فکر نہ کر' اب تو وہ تیری نہیں میری ذمے داری ہے۔'' ارجمند بانو کی تسلی آمیز آواز گونجی۔

''ڈاکٹرز کہتے ہیں وہ بالکل ٹھیک ہے' صرف ذہنی دباؤ کا شکار ہے۔''

''ویاہ کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تو فکر کیوں کرتا ہے۔ خیر سے بسم اللہ کرو اور ویاہ کی تیاریاں کرو۔'' ایماء تو سن کر گویا پتھر کی ہوگئی تھی۔ یہ سب اتنی جلدی ہو جائے گا' ایسا تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ جانتی تو ارجمند بانو بھی نہ تھیں کہ وہ اس بار بھائی کے گھر سے بیٹے کا رشتہ طے کر کے لوٹیں گی۔ شاہ زیب کسی کام سے کراچی آ رہا تھا تو ارجمند بانو بھی ساتھ ہولیں کہ بھائی سے ملے ہوئے عرصہ ہوگیا تھا۔ یہاں آ کر جو حالات معلوم ہوئے تو ان کا دل کھنچ گیا۔ جھٹ سے بھائی

سے کہہ دیا کہ وہ ایماء کو اپنی بہو بنانے پر تیار ہیں۔شاہ زیب سے پوچھا تو وہ جیسے آپ کی مرضی کہہ کر چپ ہو گیا جبکہ ارجمند بانو بیٹے کی اس سعادت مندی پر نثار ہو گئیں۔فون پر ہی ملک شاہنواز سے مشورہ کر کے رشتہ طے کر دیا۔

ایماء جانتی تھی اس بار انکار کرنا مشکل ہو گا۔حسن بیگ کوئی بات سننے پر راضی نہ ہوں گے اس نے کچھ سوچ کر براہ راست شاہ زیب سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔صبح وہ اور پھوپھو واپس جا رہے تھے اور ایماء یہ موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی۔رات کے گیارہ بج رہے تھے اور وہ شاہ زیب کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی۔

"آپ؟" ایماء کو دروازے پر دیکھ کر وہ چونکا تھا۔

"اندر آ سکتی ہوں؟"

"جی نہیں۔" وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"کیوں؟"

"دیکھئے آپ تو اپنا دل ہلکا کر کے چھوٹ جائیں گی مگر میں پھنس جاؤں گا۔" وہ اتنا سیدھا نہیں تھا جتنا ایماء اسے سمجھ رہی تھی۔"جاہل ہونے کے ساتھ ساتھ اڑیل بھی ہے۔" وہ دل ہی دل میں بولی تھی۔

"میں پاگل ہوں اور آپ پھر بھی مجھ سے شادی کرنے پر تیار ہو گئے۔" ایماء کے کہنے پر شاہ زیب نے ابرو اچکاتے ہوئے اسے دیکھا۔

"پاگل کبھی بھی اپنے منہ سے نہیں کہتا کہ وہ پاگل ہے۔چاہے ساری دنیا یقین کر لے کہ ایماء حسن پاگل ہے مگر میں جانتا ہوں کہ آپ محض پاگل پن کا ڈھونگ رچا رہی ہیں۔"

"میں آپ سے بحث کرنے نہیں آئی۔صرف یہ کہنے آئی ہوں کہ آپ مجھ سے شادی سے انکار کر دیں۔"

"یہ نیک کام آپ خود کیوں نہیں انجام دے دیتیں؟" وہ گویا محظوظ ہو کر بولا تھا۔ایماء اس کے انداز پر زچ ہو گئی۔

"اگر مجھے کسی احمق سے ہی شادی کرنی تھی تو وہ خاور ہاشمی کیا برا تھا جو تھا تو ایف اے پاس مگر دولت بے تحاشا تھی اس کے پاس اور وہ ہارون رضا اس میں تو کسی چیز کی کمی نہ تھی بہت لمبی فہرست ہے۔گنوانے بیٹھوں تو رات بیت جائے۔اور آپ تو اس فہرست میں کہیں نہیں آتے شاہ زیب ملک۔"

شدت ضبط سے شاہ زیب کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"کیا آپ آدھی رات کو مجھے یہی بتانے آئی ہیں؟"

"صرف یہ بتانے آئی ہوں کہ مجھے آپ سے شادی کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔بہتر ہو گا آپ خود پیچھے ہٹ جائیں ورنہ آگے آپ خود ذمہ دار ہیں۔" وہ جیسے آئی تھی ویسے پلٹ گئی مگر شاہ زیب ملک کے دل کا سکون و قرار تہہ و بالا کر گئی۔

❄❄❄

فقط ایک ہفتہ گزرا تھا اور آج ٹھیک آٹھ دنوں بعد وہ اس گھر سے وداع ہو رہی تھی۔اسے سب سے زیادہ حیرت شاہ زیب ملک پر تھی جو سب کچھ جانتے بوجھتے اسے اپنانے پر تیار ہو گیا تھا۔اپنے تئیں اس نے شاہ زیب کا دل خراب کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔مگر وہ تو عجیب شخص نکلا تھا۔

رخصتی کے وقت حسن بیگ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور گلے لگانا چاہا تو وہ جان بوجھ کر پیچھے ہو گئی یہ گویا باپ سے ناراضی کا اظہار تھا۔

"میں آپ کے لئے بوجھ بن گئی تھی نا پاپا' اب آپ میری صورت کو بھی ترسیں گے۔" حسن بیگ نم آنکھیں لئے اسے رخصت کر رہے تھے۔جبکہ وہ دل ہی دل میں ان سے مخاطب تھی۔اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔سوگواریوں کا کوئی نشان اس کے چہرے پر تلاشنا مشکل تھا۔اس کے دل میں کیا تھا یہ صرف وہی جانتی تھی۔پی سی میں شاندار سا بیڈ روم اس کا حجلہ عروسی بنایا گیا تھا۔دوستوں کو رخصت کر کے جب شاہ زیب ملک نے اندر قدم رکھا تو نگاہ بے اختیار گلاب اور موتیے کے پھولوں سے آراستہ سیج کی طرف اٹھی تھی۔ایک لمحے کو وہ ٹھٹک کر رک گیا۔سرخ گلابوں سے آراستہ جہازی سائز بیڈ پر سرخ اور میرون عروسی لباس تو موجود تھا مگر وہ وہاں موجود نہیں تھی۔یہ سب دیکھ کر اس کی رگیں تن گئیں۔فطری طور پر اس کی خواہش تھی کہ جب وہ اندر داخل ہوتا تو اس کی دلہن مشرقی انداز میں نظریں جھکائے محو انتظار ہوتی مگر یہاں ایسا کچھ نہ تھا۔اس نے بے دلی سے شیروانی کے بٹن کھولے اور شیروانی اتار کر سامنے صوفے پر اچھال دی۔تبھی واش روم کا دروازہ کھلا اور وہ بے بی پنک اور فیروزی کاٹن کا سوٹ زیب تن کئے برآمد ہوئی تولئے سے چہرہ تھپتھپاتی وہ آئینے کے سامنے جا رکی اور بالوں میں برش چلانے لگی۔کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ چند گھنٹوں کی دلہن ہے۔شاہ زیب لب بھینچے اس کی حرکتیں دیکھتا رہا۔وہ کبھی مسکرانے لگتی تھی تو کبھی چہرے پر سنجیدگی طاری کر لیتی تھی۔شاہ زیب اس کے مقابل جا رکا۔

"یہ سب کیا ہے؟" اس نے بیڈ پر بکھرے عروسی لباس اور گہنوں کی طرف اشارہ کیا۔ایماء نے ایک نظر بیڈ کی طرف دیکھا اور پھر شاہ زیب کی طرف دیکھتے ہوئے زور سے قہقہہ لگایا۔شاہ زیب نے جز بز ہو کر پہلو بدلا۔

"آپ کو نہیں پتا۔" وہ مسکرائی۔"مجھے بھی نہیں پتا۔" معصوم سی شکل بنا کر آنکھیں پٹپٹانے لگی۔"پاپا سے پوچھ کر آ دوں' بیوقوفوں کی طرح کہتی آگے بڑھنے لگی تو شاہ زیب نے سرعت سے اس کا بازو تھام کر اسے کھینچا۔

"ایماء حسن مجھے پہیلیاں بوجھنا پسند نہیں ہیں۔" چبا چبا کر کہا تو ایک لمحے کو ایماء بھی خاموش ہو گئی۔

"آئی نو آپ کو صرف 'دھوپ کنارے' اچھا لگتا ہے۔" وہ بولی تو لہجہ اتنی معصومیت لئے ہوئے تھا کہ ایک لمحے کو شاہ زیب ملک بھی چکرا کر رہ گیا۔اگر وہ ایکٹنگ کر رہی تھی تو شاہ زیب اس لاجواب اداکاری پر عش عش کر اٹھا تھا اور اگر وہ واقعی دماغی توازن کھو بیٹھی تھی تو یہ بے حد افسوس ناک تھا۔شاہ زیب ملک جیسا زیرک بندہ بھی الجھ گیا تھا۔

"دیکھو میں جانتا ہوں تم صرف پاگل پن کا ڈھونگ رچا رہی ہو۔" اس کا انداز اور لب و لہجہ دونوں ہی زہر خند ہو رہے تھے۔یہ بی بی یہ "بدتمیز" اور "ضدی" جتنی اسے کبھی بھی پسند نہیں رہی تھی۔

"اچھا" وہ ہنسی۔"تو پھر مجھ سے شادی کیوں کی؟"

"قسمت خراب ہو تو انسان کیا کر سکتا ہے۔" اس کا لہجہ بھی دل جلانے والا تھا۔"بہتر ہو گا تم اپنے اس عاشق کا خیال ذہن سے نکال دو جس کے انتظار میں تم یہ سوانگ رچا رہی ہو۔" طنز کے نشتر اتارتا وہ چینج کرنے کی غرض سے واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

"تم کیا سمجھتے ہو شاہ زیب ملک' میں تم سے ڈر جاؤں گی۔" ایماء حسن نے بھی کہا۔"کمرہ سامنے بھٹکنا نہیں دیکھا۔" بیڈ پر سے تکیہ اور کمبل اٹھا کر وہ صوفے پر لیٹ چکی تھی۔

وہ واش روم سے باہر آیا تو اسے صوفے پر لیٹے دیکھ کر ایک لمحے کو رکا۔

"بہت اچھا کیا آپ نے جو بنا کہے میرے دل کی بات جان لی۔کم از کم آپ کی قربت کی مجھے کوئی چاہ نہیں ہے۔" بیڈ پر لیٹتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ایماء سلگ کر رہ گئی۔یہ بندہ کوئی وار خالی نہیں جانے دیتا تھا۔

"میں نے بھی تمہاری زندگی اجیرن نہ کر دی تو میرا نام بدل دینا۔" وہ محض سوچ کر رہ گئی۔

اگلی صبح ناشتے کے بعد ان کی لاہور کے لئے فلائیٹ تھی۔لاہور سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ان کا گاؤں تھا۔وہاں ہر طرح کی سہولت موجود تھی۔بجلی' گیس' ٹیلی فون' حویلی بھی خاصی بڑی اور شاندار تھی۔ولیمہ گاؤں میں ہوا تھا۔ولیمے کی تقریب کے اختتام تک وہ خاصی تھک چکی تھی۔شاہ زیب باہر مردانے میں تھا۔اس کے آنے سے پہلے ہی وہ کپڑے بدل کر سو چکی تھی۔تھکن اتنی تھی کہ اسے پتا بھی نہ چلا کب شاہ زیب کمرے میں آیا تھا۔آنکھ کھلی تو وہ بدک کر دور ہٹی تھی۔اس سے ذرا فاصلے پر وہ محو خواب تھا۔اسے یاد آیا کہ رات وہ اس قدر تھک چکی تھی کہ بیڈ پر ہی سو گئی تھی۔تبھی باہر سے دروازہ بجایا گیا تھا۔دستک کی آواز پر شاہ زیب کی آنکھ کھل گئی۔

"کیا ہوا ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" مندی مندی آنکھوں سے اس نے ایماء کی طرف دیکھا جو اسے ہی گھور رہی تھی۔

"تم.....تم یہاں کیوں سوئے؟" اس کا لہجہ ایسا تھا کہ وہ بلبلا اٹھا۔

"میں نے تمہیں پہلے دن ہی باور کروا دیا تھا کہ مجھے تمہاری قربت کی کوئی تمنا نہیں ہے۔بالفرض اگر ایسا ہو بھی تو یہ میرا شرعی حق ہے۔" وہ سائیڈ پر پڑی قمیص اٹھا کر پہننے لگا۔"بے فکر رہو ہم دیہاتی لوگ حق کی وصولی چوری کر کے نہیں بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر کرتے ہیں۔" وہ اٹھ کر دروازے کی طرف گیا۔"اور سنو! آج کے بعد مجھے تو یا تم کہہ کر مت پکارنا۔" پلٹ کر ایک گھورتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی اور دروازہ کھول دیا۔دروازے پر عطیہ بھابی اور چند دوسری خواتین موجود تھیں۔وہ سب شاہ زیب کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائی تھیں۔

"میں نے کہا دیور جی دوپہر کے کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔" عطیہ بھابی کے کہنے پر وہ خجل سا ہو کر کنی کترا کر گزر گیا۔عطیہ بھابی اس کے چچا زاد خالد کی بیوی تھیں۔

ایف اے پاس تھیں۔شاہ زیب سے بے تکلفی بھی تھی۔اس لئے اسے بات بے بات چھیڑنے سے باز نہیں آتی تھیں۔اب وہ سب ایماء کو گھیرے بیٹھی تھیں جبکہ ایماء دل ہی دل میں کلس رہی تھی۔

گھر کے سبھی لوگوں نے اسے ہاتھ کا چھالا بنا رکھا تھا۔آمنہ اور عائشہ بھابی اس پر جان وارتی تھیں تو بے جی کے لئے وہ جگر کا ٹکڑا تھی۔بابا جان (ملک شاہنواز) کا رویہ بھی بے حد اچھا تھا پورے گاؤں میں اس کی خوبصورتی کے چرچے تھے۔شاہ زیب اور اس کا تعلق پہلے روز کی طرح تھا۔ایماء کے لئے وہ خاصی ٹیڑھی کھیر ثابت ہو رہا تھا۔گھر پر وہ بہت کم ہوتا تھا مگر جب ہوتا تھا تو ایماء کے لئے ایک ایک پل گزارنا مشکل ہو جاتا تھا۔بات بے بات طنز کرنا اس کی عادت بن چکی تھی۔

حسن بیگ کا فون اکثر آتا رہتا تھا مگر وہ جان بوجھ کر ادھر ادھر ہو جاتی تھی۔

شادی کو ایک ماہ ہونے والا تھا مگر اس نے ایک بار بھی پلٹ کر گھر والوں کی خیر خبر دریافت نہیں کی تھی۔شاہ زیب کا رویہ سب گھر والوں کے سامنے بالکل ٹھیک ہوتا تھا مگر تنہائی میں وہ یکسر بدل جاتا تھا۔اس صورتحال سے ایماء کا دل گھبرانے لگا تھا۔لاشعوری طور پر وہ اس شادی کو قبول کر چکی تھی مگر نبھانا ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔زندگی ایک دم بہت بور اور ڈل سی لگنے لگی تھی۔تھی تو وہ بھی ایک عام سی ہی لڑکی۔شریک سفر کے خلوص اور چاہتوں کی خواہشمند مگر شاہ زیب ملک کی کوئی بات اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ نہ پائی تھی۔وہ بے پناہ مردانہ وجاہت کا حامل تھا مگر جب طنز کے نشتر چلاتا تو وہ دل مسوس کر رہ جاتی۔کیا کرتی اپنے ہی بوئے ہوئے بیج تھے جن کا پھل اسے مل رہا تھا۔

اس روز وہ سرِ شام ہی گھر لوٹ آیا تھا۔ایماء اور بے جی برآمدے میں بیٹھی تھیں۔

“السلام علیکم بے جی!” عادتاً سلام کرنے کے بعد وہ ان ہی کے برابر تخت پر بیٹھ چکا تھا۔ایماء نے سرسری سی نگاہ اس پر ڈالی وہ بھی اسی کی طرف متوجہ تھا۔ایماء کے دیکھنے پر سرعت سے نظروں کا زاویہ بدلا۔

“وعلیکم السلام۔جیوندا رہ پتر۔آج جلدی آ گئے؟” بے جی نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

“پاریوں کا کوئی مسئلہ تھا جلدی حل ہو گیا۔کوئی خاص کام بھی نہیں تھا۔”

“کھانا لگواؤں؟” بے جی کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور خود اٹھ کر سامنے صحن میں بنے واش بیسن پر ہاتھ منہ دھونے لگا۔

“پتر جب خصم (شاوند) گھر آئے تو ووہٹی کا فرض ہوتا ہے اس سے روٹی پانی کا پوچھے۔گھر میں بے شک نوکروں کی فوج ہو مگر خصم ہمیشہ ووہٹی کے ہاتھ کا کھانا پسند کرتا ہے۔” بے جی اب ایماء سے مخاطب تھیں۔

“چھڈو بے جی کیوں دس رہے ہو” (چھوڑیں بے جی کسے سمجھا رہی ہیں) تولئے سے ہاتھ منہ پونچھتا وہ وہیں چلا آیا۔بے جی کی بات وہ سن چکا تھا۔ایماء نے ایک شکوہ کناں نظر اس پر ڈالی پھر خاموشی سے اٹھ کر رسوئی کی جانب چل دی۔

“ہر وخت مخول نہ کیا کر میری نوں کے ساتھ۔بڑی چنگی ہے میری نوں۔”

“آپ کو تو کہتا ہے جتنی چنگی جو ہوئی۔” وہ مسکرایا۔

“تو شہر کب جا رہا ہے؟”

“لاہور؟”

“ہاں۔”

“شاید کل پرسوں تک خیر ہے کچھ منگوانا ہے؟”

“آمنہ کے داج کی کچھ چیزیں لینی تھیں کہہ رہی تھی بھابی کی پسند کی لوں گی تو ایسا کر اس بار ایماء کو ساتھ لیتے جانا۔اپنے لئے بھی کچھ (کچھ) خرید لے گی۔” ایماء کھانا لے کر آ چکی تھی۔اس نے کھانے کی ٹرے شاہ زیب کے سامنے رکھی۔

“ٹھیک ہے۔” بے جی کی کسی بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔

“پیکنگ کر لینا۔ہم کچھ دنوں کے لئے لاہور جا رہے ہیں۔” سونے سے پہلے اس نے کہا تھا۔

“کیوں؟”

“مجھے بحث کرنے والی عورتیں پسند نہیں ہیں۔” وہ چڑ کر بولا۔

“مسٹر شاہ زیب ملک آپ ایک بار ہی مجھے بتا کیوں نہیں دیتے کہ آپ کو کس قسم کی عورتیں پسند ہیں۔” وہ جانے کیوں بحث پر آمادہ تھی۔

“میری پسند ناپسند سے تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔”

“عجیب انسان ہیں آپ کم از کم میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔” اس کے لہجے میں بے بسی گھلی تھی۔

“ظاہر ہے سمجھ بوجھ آپ جیسے پاگلوں کی میراث تھوڑی ہوتی ہے۔” لبوں پر دل جلانے والی مسکراہٹ تھی۔

“میں پاگل نہیں ہوں سمجھے آپ۔” وہ تڑپ کر بولی تھی۔

“اپنے ہی بیان سے مکر رہی ہو محترمہ۔”

“غلطی ہو گئی معاف کر دیں مجھے۔جان بخش دیں میری۔” اس کی آواز بھرا گئی۔

“بس نکل گئے سارے کس بل۔اتنا ہی دم خم تھا۔” وہ اٹھ کر اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

“جب آپ کو مجھ سے نفرت تھی تو پھر مجھ سے شادی کیوں کی؟” شاہ زیب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔یہ لہجہ اور انداز پہلے سے جدا ہو رہا تھا۔پہلے سی اکڑ کی جگہ بے بسی نظر آ رہی تھی۔“تو گویا ایماء حسن صاحبہ ہتھیار ڈال چکی ہیں۔” وہ پرسوچ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ایماء اس کے اس طرح دیکھنے پر سٹپٹا گئی۔وہ اتنی بری نہیں تھی جس کی وہ توقع کر رہا تھا۔

“میں دیکھنا چاہتا تھا کہ میری برداشت اور نفرت کی حد کہاں تک ہے۔” وہ زیر لب مسکرا رہا تھا مگر ایماء یہ سب دیکھنے سے قاصر تھی۔

“اور اس کے لئے میری زندگی کو تختہ مشق بنا ڈالا۔”

“یہ سب بھی آپ ہی کی خواہش تھی۔فاصلوں کی دیوار آپ نے کھڑی کی تھی میں نے نہیں۔” ایماء اس کے پل پل بدلتے موڈ پر حیران ہو رہی تھی۔یہ وہ شاہ زیب ملک تو نہیں تھا جس کی ہٹ دھرمی اور اکھڑ پن نے اس کا جینا محال کر رکھا تھا۔شاہ زیب نے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے اسے خود سے قریب کیا تو وہ ہوش میں آئی۔یہ پیش قدمی بلاوجہ تو نہ تھی۔سب سے زیادہ حیرانی اسے اپنی بدلتی کیفیت پر ہو رہی تھی۔دل کی دھڑکن حد سے سوا ہو گئی تھی۔ایسا کیا تھا اس کے قرب میں کہ وہ بے خود ہونے لگی تھی۔وہ جھٹکے سے دور ہٹی تھی۔

“کسی بھول میں مت رہئے گا شاہ زیب ملک آپ کیا سمجھے کہ میں آپ کے ذرا سے التفات سے رام ہو جاؤں گی۔”

“تو پھر یہ بے بسی اور ندامت کیسی ہے؟” اس کا لہجہ کھردرا ہو گیا۔

“اف! میرے لفظوں کا اتنا غلط مطلب لیا ہے۔اس قدر سطحی لڑکی سمجھتا ہے یہ شخص مجھے۔” اسے سوچ کر ہی شرم آنے لگی تھی۔“یہ سمجھ رہا ہے کہ میں پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں گرنے کو بیتاب ہو رہی ہوں اس لئے......” مارے شرمندگی کے اس کی آنکھیں بھر آگئیں۔وہ ایک ملامت بھری نگاہ اس پر ڈالتی آگے بڑھنے لگی تو شاہ زیب نے اس کا راستہ روک لیا۔

“جانتی ہو عورت کی ضد اور تکرار مرد کے اندر کے حیوان کو جگانے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔” ایماء کو یکلخت اس سے بے حد خوف محسوس ہوا۔پیشانی عرق آلود ہو گئی۔اس نے خوف کے مارے آنکھیں میچ لیں۔شاہ زیب نے اس کی اس کیفیت پر محظوظ ہو کر قہقہہ لگایا۔اس نے جھٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

“اس وقت کبوتر اور بلی والی مثال تم پر صادق آتی ہے۔”

“مم...... مجھے نیند آ رہی ہے۔” وہ جائے فرار تلاش کر رہی تھی۔“لعنت ہو تم پر ایماء حسن۔خواہ مخواہ بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ ڈالا۔” وہ خود کو سرزنش کرنے لگی۔

“جاؤ جا کر سو جاؤ۔” یکلخت اس کے چہرے پر سنجیدگی نے جگہ بنالی۔اس کا ہاتھ چھوڑ کر وہ بیڈ کی طرف بڑھ گیا۔ایماء نے مشکوک انداز میں اس کی طرف کن اکھیوں سے دیکھا۔اگرچہ وہ اسے چھوڑ کر اپنی جگہ پر لیٹ چکا تھا مگر وہ ابھی بھی بے یقینی اور خوف کا شکار تھی۔جبھی صوفے پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی۔

“بے فکر ہو کر سوئیں ایماء صاحبہ چھین جھپٹ کر کھانا کم از کم میری نظر میں مردانگی نہیں ہے۔” کمرے کے خاموش ماحول میں اس کی آواز گونجی تو وہ چہرے تک کمبل تان کر لیٹ گئی مگر دل ابھی بھی سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔

❋ ❋ ❋

گاؤں سے لاہور شہر کا فاصلہ کم وبیش تین گھنٹے کا تھا۔ وہ صبح دس بجے نکلے تھے اور ایک بجے وہاں پہنچ گئے تھے۔ جانے کیا سوچ کر شاہ زیب نے ہوٹل میں دو کمرے بک کروائے تھے۔ شاید گزشتہ رات کے واقعے نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ جو بھی تھا کم از کم ایماء کے لئے یہ صورتحال بے حد تسلی بخش تھی۔ شام تک فریش ہو نے کے بعد اس نے وہ ساری شاپنگ کی تھی جس کی لسٹ آمنہ نے بنا کر دی تھی۔ چند چیزیں رہ گئی تھیں جن کی خریداری اس نے اگلے دن پر ڈال دی تھی۔ شاہ زیب کا رویہ بے حد سنجیدہ اور لیا دیا سا تھا۔ شاپنگ مال سے باہر نکلتے ہوئے اس کی مڈبھیڑ ہارون رضا سے ہوگئی۔ جانے کیوں اس نے سراسیمگی سے پہلے ہارون اور پھر شاہ زیب کی طرف دیکھا تھا۔

''ہیلو ایماء کیسی ہیں؟'' وہ کنی کترا کر گزر جانا چاہتی تھی مگر شاید ہارون رضا ایسا نہیں چاہتا تھا۔ شاہ زیب نے تیکھے چتون سے ایماء کی طرف دیکھا تو وہ مزید سہم گئی۔

''ٹھیک ہوں۔'' جانے کیوں اسے شاہ زیب سے خوف آنے لگا تھا۔

''بہت مبارک ہو شادی کی۔''

''تھینک یو یہ میرے ہزبینڈ ہیں شاہ زیب۔'' ایماء نے تعارف کی رسم نبھائی۔

''مجھے ہارون رضا کہتے ہیں۔'' ہارون نے شاہ زیب کی طرف مصافحہ کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

''او ہو آپ ہیں ہارون رضا۔ بڑا ذکر سنا تھا آپ کا۔'' شاہ زیب کا لہجہ عام سا تھا مگر الفاظ ہرگز عام نہ تھے۔ ایماء کے ساتھ ساتھ ہارون بھی کچھ چونک سا گیا تھا۔

''آپ لوگ پلیز میرے گھر چلئے۔ ڈنر وہیں کریں گے۔'' ہارون نے آفر کی تھی۔

''آپ لاہور کب شفٹ ہوئے؟'' بے اختیار ایماء کے منہ سے پھسلا تھا۔

''ایک ماہ ہو گیا ہے۔ میرا یہاں ٹرانسفر ہو گیا ہے۔''

''بہت شکریہ ہارون صاحب ڈنر پر ہم لوگ کہیں اور انوائیٹڈ ہیں۔ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔'' شاہ زیب نے سہولت سے معذرت کی الوداعیہ کلمات کہتا وہ آگے بڑھ گیا۔ گاڑی میں بیٹھ کر ایماء نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر پتھر یلے سے تاثرات تھے۔

''آخر میں اس شخص سے اتنا ڈر کیوں رہی ہوں۔'' ایماء نے خود کو تسلی دی تھی۔ لاکھ وہ ضدی اور منہ پھٹ سہی مگر جانے کیوں شاہ زیب کے سامنے وہ سہم جاتی تھی۔ شاید اس کی پرسنالٹی ہی ایسی رعب دار تھی۔

''تمہارا بوائے فرینڈ تو خاصا معقول انسان لگ رہا تھا۔'' بالآخر شاہ زیب نے جامد خاموشی کو توڑا تھا۔

''وہ میرا بوائے فرینڈ نہیں تھا۔'' وہ چیخ کر بولی تھی۔

''ہونہہ سفید جھوٹ۔'' وہ بڑبڑایا مگر بڑبڑاہٹ اتنی واضح تھی کہ وہ سن سکتی تھی۔

''میں کبھی جھوٹ نہیں بولتی سمجھے آپ۔''

''اپنے عاشقوں کی فہرست مت سناؤ تم میرے پاس آئی تھیں، میں نہیں گیا تھا تم سے پوچھنے کہ کون کون تم پر تھوک کر جا چکا ہے اور کون باقی ہے۔''

''شاہ زیب ملک زبان سنبھال کر بات کریں۔'' اہانت کے احساس سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ کنپٹی کی رگ پھڑکنے لگی تھی۔

''شٹ اپ، ہمارے ہاں بیویاں شوہروں کو نام سے نہیں پکارتیں۔'' وہ دھاڑا تھا۔

''نہیں ہوں میں آپ کی بیوی، پہلے خود کو اس قابل تو بنائیں کہ بیوی رکھ سکیں۔'' اس کے الفاظ تھے کہ کوئی پگھلا ہوا سیسہ شاہ زیب ملک کی سماعتوں میں انڈیلا تھا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی۔ ایماء کا سر ڈیش بورڈ پر جا لگا تھا۔ شاہ زیب نے اس کا داہنا بازو پکڑ کر جھٹکے سے اپنی طرف موڑا تھا۔

''بہت برا کیا تم نے ایماء حسن اب اس کا خمیازہ بھی تم ہی بھگتو گی۔'' اتنے زور سے اس کا بازو جھٹکا تھا کہ وہ بلبلا اٹھی تھی۔ گاڑی ہوا سے باتیں کرتی آگے بڑھ رہی تھی۔ ایماء تو اس کی لہو رنگ آنکھوں میں اترتی وحشت سے ہی دہل گئی تھی۔ ہوٹل پہنچ کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں گیا تھا۔ ایماء نے اپنے کمرے میں پہنچ کر سکھ کا سانس لیا۔ پھر جانے کیا سوچ کر کمرے کا دروازہ بھی لاک کر دیا۔ اس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی اور دل زور زور سے سینے کی دیواروں سے ٹکرا رہا تھا۔ شاہ زیب ملک کی نگاہوں کی وحشت ابھی تک اسے دہلائے دے رہی تھی۔ تبھی دروازے پر ہونے والی دستک پر وہ چونک گئی۔ دستک دوبارہ ہوئی تو وہ ڈرتے ڈرتے دروازے تک گئی۔

''کک......کون؟''

''روم سروس میم ڈنر ریڈی ہے۔'' ویٹر کی آواز پر اس کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئیں۔ ہچکچاتے ہوئے سے دیکھ کر تسلی کی مگر پھر بھی ایک خوف سا دامن گیر تھا۔

''نن......نہیں چاہئے۔'' ویٹر کو منع کر کے وہ دوبارہ اپنے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔ آدھا گھنٹہ یونہی گزر گیا۔ گھڑی رات کے گیارہ بجا رہی تھی۔ وہ خود کو تسلی دیتی نائٹ سوٹ اٹھا کر واش روم میں گھس گئی۔ لائٹ آف کر کے نائٹ بلب جلایا اور سونے کے لئے لیٹ گئی۔

''میں خوامخواہ ڈر رہی تھی۔ روم تو لاکڈ ہے۔ وہ بھلا کیا کر سکتا ہے۔ یونہی مجھے دھمکا رہا تھا۔'' وہ خود کو تسلیاں دے رہی تھی تبھی کلک کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ تو وارد نے اندر داخل ہونے کے بعد کمرے کا دروازہ دوبارہ لاک کر دیا تھا۔

''کک......کون ہے؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ نائٹ بلب کی دھیمی سی روشنی میں اس نے اس شخص کی طرف دیکھا تو ریڑھ کی ہڈی تک میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ شاہ زیب ملک بڑی عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اچھل کر بیڈ سے نیچے اتری تھی۔ شاہ زیب نے سرعت سے اس کا بازو تھام کر کھینچا تھا۔ وہ اس کے کشادہ سینے سے آ لگی تھی۔

''جا کہاں رہی ہو سویٹ ہارٹ ابھی تو تمہیں تمہاری بات کا جواب دینا ہے۔'' شاہ زیب کے لبوں پر بڑی گہری مسکراہٹ تھی۔ ایماء کا پور پور تھر تھر کانپ رہا تھا۔ وہ جان چکی تھی اب فرار ممکن نہ تھا مگر پھر بھی اپنی سی کوشش کرتے ہوئے اس نے مزاحمت کی تو وہ ہنس دیا۔

''میں تو اب تک خاموش تھا مگر تمہیں شاید میری خاموشی بھائی نہیں۔'' وہ بول رہا تھا بجا ایماء اس کی مضبوط گرفت میں محض پھڑپھڑا کر رہ گئی تھی۔

❋ ❋ ❋

''واقعی عورتیں بہت بڑی ڈرامہ باز ہوتی ہیں۔'' ڈاکٹر کو رخصت کر کے وہ اندر آیا تو با آواز بلند اظہار خیال کیا۔ وہ بخار میں پھنک رہی تھی۔ اس نے درد بھری نگاہوں سے اس ستمگر کی طرف دیکھا۔ سارا دن وہ شدید بخار کی حالت میں بے سدھ پڑی رہی تھی۔ ڈاکٹر نے انجکشن دیا تھا جس کے بعد اس کی حالت کچھ سنبھلی تھی۔

''اللہ رے یہ نازک مزاجی۔ ایسی بھی کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے تم پر کہ بیماری کا بہانہ بنا لیا۔'' الفاظوں کے نشتر اتارتا وہ بے حد ظالم لگ رہا تھا۔

''کس قدر بے حس انسان ہیں آپ بلکہ آپ کو تو انسان کہنا ہی انسانیت کی توہین ہے۔'' وہ جل کر گویا ہوئی۔

''رسی جل گئی مگر بل نہیں گیا۔ ایماء بیگم لگتا ہے آپ کی طبیعت ابھی بھی ٹھکانے نہیں آئی۔'' وہ محظوظ کن انداز میں کہہ رہا تھا۔ ایماء نے آنکھیں موند کر چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

''بابا آپ نے مجھے اس وحشی کے پلے باندھ کر اچھا نہیں کیا۔'' آنسو پلکوں کے بند توڑ کر تکئے میں جذب ہونے لگے تھے۔

''کیا کہا، میں ٹھیک سے سن نہیں پایا۔'' شاہ زیب کے انداز پر وہ کلس کر رہ گئی۔

''مجھے گھر جانا ہے۔'' وہ بھرائی آواز میں بولی۔

''کیوں؟ اتنی جلدی؟ ابھی تو آپ کے بوائے فرینڈ کے ہاں ڈنر بھی کرنا ہے۔'' طنز کے نشتر ایماء کے جگر کو لہولہو کر گئے۔

''شٹ اپ۔'' وہ تڑپ کر بولی تھی۔

''یو شٹ اپ۔'' وہ تڑ سے بولا۔ لہجہ غراہٹ لئے ہوئے تھا۔ ''یہی ہے نا وہ شخص جس کی خاطر تم نے یہ پاگل پن کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔'' شاہ زیب کے کہنے پر ایماء نے محض خاموش نظروں سے اس کی طرف دیکھا پھر نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

''اس طرح نظریں چرانے کا مطلب سمجھتی ہو؟''

''مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔ پلیز آپ چلے جائیں یہاں سے۔''

''کیوں؟ تمہاری چوری پکڑ لی ہے میں نے اس لئے؟''

''مجھے صفائیاں پیش کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔''

''تم سے صفائی مانگی بھی کس نے ہے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''اینی وے پیکنگ کر لو کچھ دیر بعد ہم روانہ ہو رہے ہیں حویلی کے لئے۔'' حکم جاری کرتا وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ ایماء تکئے میں منہ چھپا کر ایک بار پھر شدت

سے رو دی۔

''یہ خیال رکھا ہے تو نے میری دھی کا۔ دیکھ تو سہی کیسی پیلی ہلدی ہو رہی ہے۔ دو دنوں میں اتنا سا منہ نکل آیا ہے میری رانی کا۔'' بے جی تو اسے دیکھتے ہی شروع ہو گئی تھیں۔ اس کی حالت ہی ایسی تھی جیسے صدیوں سے بیمار ہو۔

''بے جی میں ٹھیک ہوں۔'' کمزور سے لہجے میں کہتی جانے کیوں وہ نظریں چرا گئی۔

''آمنہ! اٹھ جا کر کھانا لگوا، میرے بچے سفر سے آئے ہیں۔ بھوک لگی ہو گی۔''

''بے جی ہم نے راستے میں ہی کھا لیا تھا۔ ہاں البتہ مزیدار سی چائے ہو جائے تو کیا ہی بات ہے۔ وہ بھی میری پیاری بہن کے ہاتھ کی۔'' شاہ زیب کا موڈ خاصا خوشگوار تھا یا شاید ایماء کو جلانے کی خاطر لہجہ ایسا بنایا تھا۔ آمنہ فوراً اٹھ کر چائے بنانے چلی گئی تھی۔ ایماء اپنے کمرے میں پہلے ہی جا چکی تھی۔ وہ اندر داخل ہوا تو ایک لمحے کو رک کر اسے دیکھنے لگا جو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ بے حد خوبصورت نقوش مگر رنگت سرسوں کے پھول کی مانند ہو رہی تھی۔ وہ سر جھٹکتا ہوا وارڈروب کی طرف بڑھ گیا۔ کپڑے چینج کر کے آیا تو بھی وہ اسی طرح بیٹھی تھی۔ ایک لمحے کو شاہ زیب کو یوں محسوس ہوا جیسے سامنے ایک جیتی جاگتی لڑکی نہیں بلکہ سنگ مرمر سے تراشا ہوا مجسمہ رکھا ہو۔ وہ بالکل بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ ایک ان جانے سے خدشے کے تحت شاہ زیب نے بے اختیار جھک کر اس کی نبض ٹٹولی تھی۔ ایماء نے جھٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔ دائیں کلائی ابھی تک شاہ زیب کی گرفت میں تھی۔ اس نے سراسیمہ ہو کر ہاتھ کھینچنا چاہا، اس کا یہ سہما سہما سا انداز مزاحمت شاہ زیب کو لطف دے گیا۔ کلائی پر گرفت کچھ اور مضبوط ہو گئی۔

''کیا ہوا؟'' انجان سے لہجے میں کہتا وہ اس کے سامنے ٹک گیا۔

''مم...... مجھے...... نیند آ رہی ہے۔'' کل تک بڑھ چڑھ کر بولنے والی ایماء حسن آج شاہ زیب ملک کے سامنے ہکلا کر رہ گئی۔

''اچھا۔ مگر مجھے تو نہیں آ رہی، حالانکہ پورے سفر کے دوران میں ڈرائیو کرتا رہا ہوں جبکہ تم تو راستے بھر سوتی رہی تھیں۔''

''میں...... میرا...... میرا ہاتھ چھوڑیں۔'' وہ منمنائی۔

''یہ تم ہو ایماء حسن اتنی بے بس اتنی مجبور۔'' وہ تضحیک آمیز انداز میں ہنسا تو ایماء کی آنکھیں بھر آگئیں۔

''خدا کے لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔''

''بس! نکل گیا سارا دم خم۔''

''شاہ زیب پلیز۔''

''آہستہ بولو تمہاری آواز اس کمرے سے باہر نہیں جانی چاہئے۔'' اس کا ہاتھ چھوڑتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''کس قدر دوغلے شخص ہو شاہ زیب ملک، اس لئے آہستہ بولوں کہ تمہاری ماں، بہنوں کو تمہاری اصلیت کا علم نہ ہو جائے۔ یہ جو تم نے نام نہاد تہذیب کا چولا اوڑھ رکھا ہے، کہیں اس کی حقیقت تمہارے گھر والوں کو معلوم نہ ہو جائے۔''

''کیا کیا ہے میں نے؟ بولو! ایسا کیا دیکھا ہے تم نے میرے کردار میں......'' اس کا چہرہ اپنے دائیں ہاتھ میں جکڑتے ہوئے وہ غرایا۔ ''ایماء بیگم ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ میری وحشتوں کی انتہا تم سہہ نہ پاؤ گی اس لئے بہتر ہو گا اپنی زبان بند رکھو۔ تم جیسی عورتوں کے ساتھ تو اس سے بھی برا سلوک ہونا چاہئے۔'' ایک جھٹکے سے اسے بیڈ پر گرایا اور اٹھ کر واش روم میں چلا گیا۔

''آئی ہیٹ یو، آئی ہیٹ یو۔'' اس نے چلاتے ہوئے تکیے اٹھا کر بیڈ سے نیچے پھینک دیے۔ سائیڈ ٹیبل پر ہاتھ مار کر گلدان نیچے گرا دیا۔ آمنہ چائے لے کر اندر داخل ہوئی تو اندر کا منظر دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔

''بھا...... بھابی۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے ایماء کا شانہ ہلایا۔

''چلی جاؤ یہاں سے، تنہا چھوڑ دو مجھے۔'' اس نے ہاتھ مار کر آمنہ کے ہاتھ میں پکڑے چائے کے برتن نیچے گرا دیے۔ چینی کی نفیس پیالیاں گر کر چکنا چور ہو گئیں۔ گرم چائے کے چھینٹے آمنہ کے پیروں پر بھی پڑے تھے۔

''بھابی۔'' آمنہ نے ایک بار پھر اسے سنبھالنا چاہا مگر اس پر تو گویا جنون طاری ہو گیا تھا۔

''دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔'' وہ پوری قوت سے چلائی تھی۔ شور کی آواز سن کر بے جی اور عائشہ بھی دوڑی چلی آئیں۔

''چلے جاؤ سب یہاں سے۔'' وہ کسی کو بھی خاطر میں نہ لا رہی تھی۔ شاہ زیب بھی واش روم سے نکل آیا تھا۔ ایماء کو دیکھ کر اس کی رگیں تن گئیں۔

''ایماء میری دھی...... ہوش کر۔'' بے جی نے پچکارا تو اس نے ان کا ہاتھ بھی جھٹک دیا۔ ماں کی یہ توہین شاہ زیب سے برداشت نہ ہو سکی۔

''کیا تماشا لگا رکھا ہے؟'' درشت سے لہجے میں ایماء سے دریافت کیا۔

''تماشا؟ تماشا تو میں تمہارا اب لگاؤں گی۔ تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو۔'' شاہ زیب کا گریبان دونوں مٹھیوں میں دبوچ کر چلائی۔ ماں بہنوں کے سامنے یہ انداز شاہ زیب کا خون کھول اٹھا۔

''چٹاخ۔'' اس کا ہاتھ اٹھا اور ایماء کے رخسار پر نشان ثبت کر گیا۔ وہ لڑکھڑا کر بیڈ پر گری تھی۔

''نہ پتر وہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔'' بے جی کا خیال تھا کہ اس پر پاگل پن کا دورہ پڑا تھا۔

''ہوش میں ہی تو لا رہا ہوں اسے۔'' شاہ زیب کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ ''آپ فکر نہ کریں، میں سنبھال لوں گا۔ آمنہ، عائشہ تم لوگ بے جی کو لے کر اپنے کمرے میں جاؤ۔''

''پتر وہ......'' بے جی نے جانے میں تامل کیا۔

''بے جی آپ فکر نہ کرو میں سنبھال لوں گا۔'' بے جی کو مطمئن کر کے وہ دروازہ بند کر کے پلٹا۔ ایک سلگتی ہوئی نظر ایماء پر ڈالی جو اب بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی سسک رہی تھی۔

''لگتا ہے تمہیں عزت راس نہیں آتی۔'' شاہ زیب نے دائیں ہاتھ میں اس کے بال جکڑ کر ایک جھٹکے سے سر اٹھایا تو اس کی سسکی نکل گئی۔

''چھوڑو مجھے جنگلی انسان نفرت ہے مجھے تم سے۔'' وہ خود کو اس کی گرفت سے چھڑوانے کو ہلکان ہوتی تھی۔

''تمہارا علاج میں وہ کروں گا ایماء بیگم کہ تم یہ پاگل پن، کروفر سب بھول جاؤ گی۔ تم نے میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رکھا ہے۔'' وہ غرایا اور ایماء بے بسی سے لب کاٹ کر رہ گئی۔ وہ چاہ کر بھی خود کو اس کی گرفت سے آزاد نہ کروا پائی تھی۔

❋ ❋ ❋

''آپی! پاپا کہہ رہے ہیں کھانا کھا لیں۔'' فروا نے دروازے کی اوٹ سے جھانک کر کہا، ایماء نے ایک تیکھی نظر اس پر ڈالی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' روکھے سے انداز میں کہہ کر وہ کروٹ بدل گئی۔

''ایمی جان طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔'' پاپا کی آواز پر وہ اٹھ بیٹھی۔ حسن بیگ اس کے قریب ہی پلنگ پر بیٹھ گئے۔

''جی ٹھیک ہوں۔'' وہ نظریں جھکا کر بولی۔

''تم شاہ زیب کے ساتھ خوش تو ہو؟''

''چھوڑیں پاپا خوشی کی بات میرے سامنے نہ کیا کریں۔'' حسن بیگ ایک لمحے کو خاموش رہ گئے۔ کل سے وہ اسی طرح اپنے کمرے میں بند تھی۔ کل وہ پورے چار ماہ بعد ایماء سے ملنے ملک حویلی گئے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا تھا کہ سب بہت خاموش خاموش تھے۔ شاہ زیب تو گھر پر تھا ہی نہیں۔

''آپا! خیر ہے، سب ٹھیک تو ہے یہاں؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکے تھے۔ تب ارجمند بانو نے بڑے دلگیر لہجے میں حسن بیگ کو ایماء کی حالت کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔ وہ سخت فکرمند تھیں ایماء کی ذہنی حالت کے بارے میں۔

''میں ایمی کو کچھ دن کے لئے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔'' آخر باپ تھے بیٹی کی حالت پر تڑپ اٹھے۔ ایماء بھی بلا چون و چرا ان کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئی تھی۔ گزشتہ رات شاہ زیب نے جو سلوک اس کے ساتھ کیا تھا، اس کے بعد تو وہ اب اس کی شکل بھی دیکھنا نہ چاہتی تھی۔ دل ہی دل میں اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اب لوٹ کر یہاں نہیں آئے گی۔ ان چار ماہ میں اس نے شاہ زیب ملک کے ساتھ نباہ کرنے کی بہت کوشش کی تھی مگر...... سب بے سود۔ وہ حسن بیگ کے ساتھ چلی آئی تھی۔ سعدیہ بیگم نے خاصے سرد سے انداز میں اس کا استقبال کیا تھا۔

''یہ عورت میری بربادی کی ذمے دار ہے۔'' سعدیہ بیگم کو دیکھتے ہی اس کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا۔

''ابھی بیٹا آج شام کو تیار رہنا' تمہیں کہیں جانا ہے۔''

''کہاں؟'' حسن بیگ کی آواز پر وہ چونکی تھی۔

''ڈاکٹر کے پاس۔'' وہ نظریں چرا کر بولے۔

''سائیکاٹرسٹ؟ ڈو یو تھنک کہ میں پاگل ہوں۔'' قدرے تیوریاں چڑھا کر بولی۔

''نہیں بیٹا' بعض اوقات ڈپریشن میں بھی ''

''پاپا پلیز میں پاگل نہیں ہوں۔'' اس کا لہجہ تیز ہو گیا۔

''آل رائٹ' تم آرام کرو۔'' حسن بیگ اس کا سر تھپکتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں چھت کو گھورتی رہی۔ اسکا ذہن اس وقت بالکل خالی سلیٹ کی مانند ہو رہا تھا۔ محض پچیس برس کی عمر میں وہ اتنے تجربات سے گزر چکی تھی کہ خود کو عمر رسیدہ محسوس کرنے لگی تھی۔ ماں سے محرومی' باپ کی دوسری شادی اور لاتعلقی' سوتیلی ماں کا ناروا سلوک' ہارون رضا اور پھر شاہ زیب ملک...... کوئی یاد بھی دکھ اور درد سے خالی نہ تھی۔

''کتنے خالی ہاتھ ہیں میرے۔'' اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو کھول کر سامنے کیا اور غور سے ہتھیلیوں کو دیکھنے لگی۔ سپید اور گلابی ہتھیلیاں۔ سامنے تھیں' چند قطرے گلابی ہتھیلیوں کو نم کر گئے تو وہ چونکی۔ بایاں ہاتھ بے اختیار گال پر رکھا۔

''میں رو رہی ہوں!'' وہ گویا حیران ہوئی تھی۔

''میں ساری عمر محبتوں کو ترستی رہی مگر محروم رہی۔'' آنسوؤں کی روانی میں تیزی آ گئی تھی۔ اور جانے کب روتے روتے اس کی آنکھ لگ گئی۔

اسے پاپا کے پاس رہتے ہوئے دو ہفتے ہونے والے تھے۔ شاہ زیب نے ایک بار بھی پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔ ارجمند بانو نے ایک آدھ بار فون کیا تھا مگر اس کی بات نہ ہو پائی تھی۔ سعدیہ بیگم سے اس کے تعلقات پہلے سے زیادہ خراب ہو چکے تھے۔ دن بڑے بے کیف سے گزر رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے زندگی پر ایک ٹھہراؤ سا چھا گیا ہو اور تب اس کی ملاقات ایک بار پھر ہارون رضا سے ہوئی۔ شاپنگ مال میں ہونے والی ملاقات بہت جلد دونوں کو قریب لے آئی۔ ایماء کو جذباتی سہارے کی ضرورت تھی جو اسے ہارون رضا کی صورت میں مل گیا تھا۔ ہارون کو اس نے فقط اتنا بتایا تھا کہ وہ شاہ زیب ملک سے علیحدگی اختیار کر چکی ہے۔ ہارون رضا ایک ماہ کی چھٹی پر آیا ہوا تھا۔ ہارون نے جب اسے شادی کی آفر کی تو وہ ایک لمحے کو خاموش رہ گئی۔

''میں نے خود کو بہت سمجھایا مگر بے بس رہا' میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میرے دل میں تمہارے لئے جو محبت ہے وہ کبھی کم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔''

''آپ جانتے ہیں میں شادی شدہ ہوں۔'' وہ نظریں چرا گئی تھی۔

''جانتا ہوں مگر اب تو تم اس سے علیحدگی اختیار کر چکی ہو۔''

''صرف علیحدگی ہوئی ہے' طلاق نہیں۔'' طلاق کا لفظ لبوں پر لاتے ہوئے نہ جانے کیا بات تھی کہ یکبارگی اس کا دل ڈوب سا گیا تھا۔

''ایماء! میں صرف اپنی خوشی کے لئے کسی کا گھر اجاڑنا نہیں چاہتا۔ اگر تم سمجھتی ہو کہ تم شاہ زیب ملک کے ساتھ خوش رہ سکتی ہو تو میں کبھی بھی تمہیں یہ مشورہ نہیں دوں گا کہ تم خلع لے لو۔''

''آپ تو '' ایماء نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''جانتا ہوں تم کیا کہنا چاہتی ہو' تم بھی سوچ رہی ہو گی کہ یہ کیسا عجیب شخص ہے ایک پل کو شادی کی آفر کرتا ہے تو دوسرے ہی پل طلاق لینے سے منع کر رہا ہے۔ ایماء میں نے تم سے محبت کی ہے۔ بے لوث اور بے غرض۔ یہ میری خوش قسمتی ہو گی اگر تم میری ہمسفر ہو مگر اپنی خوشی سے زیادہ میرے نزدیک تمہاری خوشی اہم ہے۔''

''شاہ زیب ملک کے ساتھ گزرے یہ چار ماہ میرے لئے کسی اذیت سے کم نہ تھے۔''

''پھر بھی تم سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔ اگر فیصلہ میرے حق میں ہو تو میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے اور اگر اس کے برعکس ہو تو بھی میرے دل میں تمہارا جو مقام ہے وہ کبھی کم نہ ہو گا۔''

اس رات وہ ٹھیک سے سو بھی نہ پائی تھی۔ ہارون رضا کی باتیں اس کے ذہن کے ایوانوں میں چکراتی پھر رہی تھیں۔

''کس قدر عجیب شخص ہے یہ ہارون رضا اور اس کی محبت عجیب تر۔'' رات کے آخری پہر وہ ٹیرس کی گرل سے ٹیک لگائے سوچوں میں گم کھڑی تھی۔ ''شاہ زیب ملک...... تم نے کبھی مجھے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔'' ایک سرد آہ اس کے لبوں سے خارج ہوئی تھی۔

''اگر اس نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی تو تم نے کونسی کوشش کر لی۔'' دل و دماغ میں جنگ چھڑ چکی تھی۔

''وہ جاہل شخص...... کسی بھی طرح میرے قابل نہیں تھا۔''

''یہ تم بھی جانتی ہو ایماء حسن کہ شاہ زیب ملک جاگیردارانہ ذہنیت کا حامل ضرور تھا مگر جاہل یا احمق نہیں' ماسٹرز کی ڈگری ہے اس کے پاس۔''

''اس نے اس نے کبھی مجھے محبت کی نظر سے بھی نہیں دیکھا۔''

''اس میں قصور سراسر تمہارا ہے۔ بہرحال وہ ایک مرد ہے۔ شادی کی پہلی رات تم نے جو سلوک اس کے ساتھ کیا' وہ تو کیا کوئی بھی مرد یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔''

''وہ اکھڑ مزاج اور تنگ ذہنیت کا شخص تھا۔''

''جب ایک لڑکی خود اپنے منہ سے اعتراف کر رہی ہو کہ شادی سے پہلے اس کی زندگی میں کوئی اور بھی تھا۔''

''نہیں...... میں نے صرف یہ بتایا تھا کہ میرے لئے کسی کا پرپوزل آیا تھا۔ میرا مقصد صرف یہ یاد کرانا تھا کہ میری نظر میں شاہ زیب ملک کی کوئی اہمیت نہیں تھی بلکہ میں اس سے بہتر پرپوزل ٹھکرا چکی تھی۔'' دل نے سرعت سے دماغ کی بات رد کی تھی۔

''تم کچھ بھی کہو ایماء حسن مان لو کہ قصور تمہارا بھی ہے۔ تم نے کبھی شوہر کو شوہر کی حیثیت سے قبول کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔'' دل و دماغ کی اس جنگ سے تھک آ کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ دل عجیب سا ہو رہا تھا۔ جسم لپیٹے میں شرابور تھا۔ اس کا جی متلانے لگا تھا۔ وہ چکرا کر بیڈ پر گر گئی۔

❋ ❋ ❋

''فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ ایسی حالت میں ٹینشن نہیں لینی چاہئے اور آپ کا تو پہلا بچہ ہے' اس لئے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔'' ڈاکٹر کے الفاظ اس کے ذہن پر ہتھوڑے کی مانند برسے تھے۔ ڈاکٹر سعدیہ بیگم کو بھی مزید ہدایات دے رہی تھی مگر وہ تو جیسے کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔ رات کو اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ شاہ زیب ملک سے طلاق لے کر ہارون رضا سے شادی کر لے گی اور دو روز میں وہ ہارون کو گرین سگنل بھی دینے والی تھی کہ یہ سب ہو گیا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ سعدیہ بیگم نے سپاٹ سے انداز میں یہ خبر حسن بیگ کو سنائی تھی۔ ایماء کا موڈ فی الوقت اس کی اپنی سمجھ سے بھی باہر تھا۔ وہ اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئی تھی۔ شام کی چائے پر سعد اسے بلانے آیا تو وہ باہر نکلی۔ ہارون صبح سے کئی بار فون کر چکا تھا مگر ہر بار وہ فون ڈس کنیکٹ کر دیتی تھی۔

''پاپا! میں شاہ زیب سے خلع لینا چاہتی ہوں۔'' بلا تمہید اس نے حسن بیگ سے کہا تھا۔

حسن بیگ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا جبکہ سعدیہ بیگم بے نیاز بنیں چائے پیتی رہی تھیں۔

''مگر ایمی بیٹا......''

''پاپا پلیز' یہ میری زندگی ہے مجھے اپنی مرضی سے جی لینے دیں۔'' وہ جیسے آئی تھی ویسے ہی پلٹ گئی۔ اپنے روم میں جا کر اس نے پہلا کام ہارون رضا کو فون کرنے کا کیا۔

''ہارون! کیا آج آپ میرے ساتھ ڈنر کریں گے؟''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔'' دوسری طرف وہ کھل اٹھا تھا۔

''آل رائٹ' مجھے آٹھ بجے پک کر لیجئے گا۔'' اس روز وہ خوب جی لگا کر تیار ہوئی تھی۔ رائل بلیو اور فیروزی کنٹراسٹ کا اسٹائلش سا سوٹ زیب تن کیا۔ شولڈر کٹ لیئرز میں کٹے بالوں کو کھلا چھوڑ دیا۔ آئی لائنرز سے سجی آنکھیں اور ڈارک میرون لپ اسٹک اس کے گورے رنگ پر چمک رہی تھی۔

''کہاں جا رہی ہو اس وقت؟'' وہ تیار ہو کر باہر آئی تو سعدیہ بیگم پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

''آپ کو بتانے کی پابند نہیں ہوں میں۔'' تبھی ہارون رضا کی گاڑی کا ہارن بجا تو وہ گیٹ کراس کر گئی۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو۔'' ہارون کی ستائش بھری نظروں پر وہ جھینپ کر مسکرا دی۔

''کہاں چلیں؟'' گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

''کسی اچھی سی جگہ پر چلیں۔'' وہ مسکرائی۔

''ہنستی رہا کرو۔اچھی لگتی ہو۔''

ہارون کی ہمراہی میں وہ شہر کے مہنگے ترین ریسٹورنٹ میں داخل ہوئی۔

''کیا بات ہے آج بہت خوش نظر آرہی ہو۔'' وہ پوچھے بنا نہیں رہ سکا تھا۔

''خوش ہونے اور نظر آنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''میں آپ سے شادی پر تیار ہوں۔''

''اوہ......رئیلی؟ ہارون کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

''مگر ایک پرابلم ہے۔'' ایماء کے سنجیدہ انداز پر ہارون کے مسکراتے لب تھم سے گئے۔ وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''وہ......دراصل......'' وہ جھجک سی گئی۔

''ایماء! کیا بات ہے۔تم مجھے بتاؤ تو سہی۔''

''آئی......آئی ایم پریگنینٹ۔'' وہ نگاہیں جھکا گئی۔ چند لمحوں کے لئے دونوں کے مابین خاموشی رہی۔

''تو......پھر؟'' ہارون نے کہا۔

''تو؟''

''آئی مین اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''آپ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں......'' ایماء خاصی حیران ہوئی تھی۔

''ایماء میرے لئے تم سب سے زیادہ اہم ہو اور تم سے وابستہ ہر چیز بھی مجھے اتنی ہی عزیز ہوگی جتنی کہ تم۔ یو نو وائٹ آئی مین؟'' ہارون کی بات پر اس کی آنکھیں چھلک اٹھی تھیں۔

''رو کیوں رہی ہو؟''

''ہارون آپ بہت اچھے ہیں۔''

''اس میں رونے کی کیا بات ہے۔''

''ہارون میں بہت تھک گئی ہوں۔'' اس کا لہجہ بھرا گیا۔

''ایماء سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' ہارون نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''کیسے ٹھیک ہوگا؟ شاہ زیب ملک سے خلع لینا بہت مشکل کام ہے۔خاص کر اب جبکہ میں اس کے بچے کی......'' وہ لب کاٹنے لگی تھی۔

''اللہ مالک ہے تم فکر نہ کرو۔'' ہارون کے تسلی آمیز لہجے پر وہ تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ ڈنر کے بعد وہ گھر آئی تو خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

''پاپا آپ آج ہی وکیل سے کہہ کر خلع کا نوٹس بھجوا دیں۔'' صبح ناشتے کی میز پر اس نے یہ بات اتنے آرام سے کہی جیسے بہت عام سی بات ہو۔

''ایماء یہ گڈے گڑیا کا کھیل نہیں ہے۔تم سوچ لو اچھی طرح پھر......''

''کیا سوچ لوں پاپا؟ میں فیصلہ کر چکی ہوں۔''

''میں آفس سے لیٹ ہو رہا ہوں واپسی پر تفصیلاً بات ہوگی۔تم بھی اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لو۔'' حسن بیگ اٹھ کر چلے گئے۔

''آج کل تو کنواری لڑکیوں کے رشتے ملنے مشکل ہیں طلاق لے لوگی تو کون سا شہزادہ تمہیں بیاہنے آئے گا۔'' سعدیہ بیگم کے طنز پر وہ سلگ کر رہ گئی۔

''آپ کو اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''آج کل بھلائی کا زمانہ نہیں رہا' میری بلا سے جو مرضی کرو۔''

''بہت مہربانی آپ کی پہلے جتنی بھلائی آپ میرے ساتھ کر چکی ہیں' کافی ہے۔''

''ایسی اولاد سے تو بے اولاد ہونا اچھا ہے۔اس عمر میں باپ کے سر میں خاک ڈلوائے گی۔کورٹ کچہریوں کے چکر شریفوں کو زیب نہیں دیتے۔''

''آپ اس معاملے سے دور ہی رہیں۔'' وہ تن فن کرتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

دوپہر کے کھانے کے لئے بھی کمرے سے باہر نہ نکلی۔وہ ہارون کو فون کرنے کا سوچ ہی رہی تھی جب ارجمند بانو اور ان کے پیچھے پیچھے حسن بیگ اور سعدیہ بیگم اندر داخل ہوئے۔

''میں صدقے گئی کیا حال بنا لیا ہے میری بچی کا۔''

''السلام علیکم۔'' وہ اٹھنے لگی تو بے جی نے ٹوک دیا۔

''لیٹی رہو بیٹا' تجھے آرام کی ضرورت ہے۔رب سوہنے کا بڑا کرم ہے۔اس نے یہ دن دکھایا ہے۔'' بے جی اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔ایماء نے شاکی نظروں سے حسن بیگ کی طرف دیکھا تو وہ نگاہ چرا گئے۔

''میں نہیں رہ رہی آپ......اپنی نوں کو میں ساتھ لے کر جاؤں گی۔''

''آپا چلیں کھانا لگ گیا ہے۔'' سعدیہ بیگم نے حسن بیگ کی مشکل کو حل کرنا چاہا۔ ارجمند بانو کو فون کر کے یہ ساری صورتحال بھی سعدیہ بیگم نے ہی بتائی تھی اور ارجمند بانو تو جیسے کچے دھاگے سے بندھی چلی آئی تھیں۔

''پہلے میری دھی۔ کمرے میں ہی کچھ کھانے کو لاؤ' دیکھو ذرا کیسی کمزور ہو رہی ہے۔'' بے جی محبت پاش نگاہوں سے اس کا چہرہ تک رہی تھیں۔ بے جی کی محبت کرنے والی فطرت پر ایماء بھی خود کو بے بس محسوس کرنے لگتی تھی۔وہ چاہ کر بھی ان کے ساتھ بدتمیزی نہیں برت پا رہی تھی۔

''ملک صاحب نہیں آئے تو بڑے خوش ہوں گے۔میں تو دلہن کا فون سنتے ہی دوڑی چلی آئی۔'' کھانے کی میز پر بے جی کے کہنے پر ایماء نے چونک کر سعدیہ بیگم اور حسن بیگ کی طرف دیکھا تھا۔ اس کا خیال تھا بے جی کو اس صورتحال کا علم یہاں آکر ہوا تھا۔

''شاہ زیب اور ملک صاحب کسی کام سے دوسرے گاؤں گئے ہوئے تھے مجھ سے رہا نہیں گیا خبر ہی ایسی تھی۔ ڈرائیور کو ساتھ لیا اور آگئی اپنی دھی کے پاس۔''

''آپا! آپ یہ کوفتے لیں ناں۔'' سعدیہ بیگم نے ایماء کے چہرے کے بگڑتے زاویوں کو دیکھتے ہوئے موضوع بدلنا چاہا۔

''اپنی دھی کو دیکھ لیا۔میرا پیٹ بھر گیا۔دلہن تم میری دھی کا سامان وغیرہ تیار کرو اور ہم کل تڑکے ہی نکل جائیں گے۔'' بے جی کی بات پر سب کو گویا سانپ سونگھ گیا۔

ایماء اپنی پلیٹ چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اسے کیا ہوا؟'' بے جی کچھ حیران پریشان نگاہوں سے حسن بیگ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''کھانا تو کھا لیں' پھر بات کرتے ہیں۔'' حسن بیگ نے کہا۔کھانے کے بعد جب بے جی کو اصل صورتحال کا علم ہوا تو وہ دل تھام کر رہ گئیں۔

''طلاق؟ تو جانتا ہے حسن ہماری سات پشتوں میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔''

''جانتا ہوں آپا مگر ایماء نہیں مانتی۔''

''کوئی تو وجہ ہوگی؟''

''پتا نہیں' کچھ بتاتی بھی نہیں ہے۔'' حسن بیگ کے لہجے میں برسوں کی تھکن تھی۔

''گڑبڑ تو مجھے پہلے بھی لگتی تھی۔دونوں کے درمیان میاں بیوی والی کوئی بات ہی نہ لگتی تھی۔میں تو یہی سمجھتی رہی کہ اس کی طبیعت ایسی ہے۔''

''اب آپ ہی بتائیں آپا' کیا کروں میں۔''

''ہاں......زبردستی کرنے سے تو گھر نہیں بسا کرتے۔میں شاہ زیب سے بات کرتی ہوں۔'' بے جی کا چہرہ مرجھا سا گیا تھا۔

کیسی خبر سنائی تھی بے جی نے کہ جسے سن کر وہ ٹھیک سے خوش بھی نہ ہو پایا تھا۔وہ باپ بننے والا تھا۔اصولاً تو اسے خوش ہونا چاہئے تھا مگر جس طرح یہ سب ہوا تھا دوسرے فریق کی مرضی کے بغیر یہ بات اسے خوش نہیں ہونے دیتی تھی۔ایماء سے شادی کا فیصلہ سراسر بے جی کا تھا۔بے شک وہ بے حد خوبصورت تھی مگر اس کی مغرور اور ضدی طبیعت سے وہ خار کھانے لگا تھا۔اول روز سے اس نے جو رویہ رکھا تھا' شاہ زیب کا دل اس سے مزید بدظن ہو گیا تھا۔اور اب وہ طلاق لینا چاہتی

تھی۔ اول تو ایسا کرنا شاہ زیب ملک جیسے شخص کے لئے بے حد مشکل تھا جو بھی تھا وہ اس کی بیوی تھی اور اپنی بیوی کو چھوڑ دینا اس کی غیرت پر تازیانہ لگنے سے کم نہ تھا۔ دوسرا ایسی صورت میں جبکہ وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی وہ اسے طلاق دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

''اب مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا۔'' بالآخر ایک فیصلے پر پہنچ کر وہ مطمئن ہو گیا تھا۔

❋ ❋ ❋

''ہارون میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔'' وہ میز کی سطح پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔

''تم یقین کرو ایماء مجھے تمہارے اس فیصلے سے تھوڑی تکلیف تو ہوئی ہے مگر یہ سب وقتی ہے۔ تم خوش رہو میرے لئے اس سے بڑھ کر اور خوشی کیا ہو گی۔''

''ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا۔'' وہ پلکیں جھپک جھپک کر آنسوؤں پر بند باندھنے لگی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو زندگی کے کسی موڑ پر تمہیں میری ضرورت ہو تو پکار لینا۔'' اور یہ اس کی ہارون رضا سے آخری ملاقات تھی۔ اس نے بہت سوچا تھا اور بالآخر یہ فیصلہ کیا تھا۔ طلاق بھی تب ہی موثر ہوتی جب تک وہ شاہ زیب کے بچے کو جنم نہ دے لیتی۔

''اگر میں شاہ زیب سے طلاق لے لیتی ہوں تو ظاہر ہے جس طرح میں دوسری شادی کروں گی وہ بھی کرے گا' اور یہ بچہ...... اس کا مستقبل کیا ہو گا' کیا ایک اور ایماء حسن اس دنیا میں آنے والی ہے؟ بچہ میرے پاس رہے گا تو باپ سوتیلا ہو گا اور اگر شاہ زیب کے پاس رہے تو سوتیلی ماں...... سوتیلی ماں...... نہیں نہیں کیا میں یہ برداشت کر لوں گی کہ جو کچھ میرے ساتھ ہوا وہ میرے بچے کے ساتھ بھی ہو؟'' رات بھر وہ انہی سوچوں کے گرداب میں پھنسی رہی تھی۔

''ہارون رضا بے حد مخلص اور پیار کرنے والا شخص ہے مگر پھر بھی جانے کیوں میرا دل اس کی جانب نہیں کھنچتا۔ شاید میں نے کبھی اس سے محبت کی ہی نہیں...... محبت تو ایسی چیز ہے جو خود بخود دل میں جگہ بنا لیتی ہے۔ یہ تو ہو جانے والی چیز ہے' اس پر کسی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ شاہ زیب ملک کے لئے میرے دل میں ایک ان دیکھا سا جذبہ جو پانے لگا تھا مگر اس نے جو میرے ساتھ کیا...... وہ کسی بھی طرح ایک مہذب انسان کو زیب نہیں دیتا۔ اس کی اس حرکت نے محبت کی کونپل کو پھوٹنے سے پہلے ہی مسل کر رکھ دیا مگر...... میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں طلاق نہیں لوں گی۔ جس سوتیلے رشتے کی بھینٹ میں چڑھی ہوں اپنی اولاد کو ایسے رشتوں کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گی۔ ہاں میں سمجھوتہ کر لوں گی' شاہ زیب ملک کے ساتھ۔'' وہ رات بھر روتی رہی تھی۔

اگلے دن لنچ پر اس نے ہارون رضا سے آخری ملاقات کر کے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تھا۔ گھر پہنچی تو حسن بیگ' بے جی اور سعدیہ بیگم نہایت خوشگوار موڈ میں لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ اسے حیرت ہوئی کیونکہ ان دو دنوں میں اس نے پہلی بار بے جی اور حسن بیگ کے چہروں پر مسکراہٹ دیکھی تھی۔ کسی نے اس کی آمد کا نوٹس ہی نہیں لیا تھا اور یہ بات زیادہ حیران کن تھی۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''آپ؟'' وہ ٹھٹک کر رکی تھی۔ شاہ زیب ملک اس کے بیڈ پر نیم دراز تھا۔ ہاتھ میں کوئی کتاب پکڑ رکھی تھی۔

''مجھے دیکھ کر اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟ کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں؟'' وہ اٹھ کر اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

''آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟'' وہ رخ پھیر گئی۔

''اپنی بیوی کو لینے۔'' دونوں بازوؤں سے اس کی کمر کے گرد حصار بنایا اور ٹھوڑی اس کے دائیں شانے پر ٹکا دی۔ ایماء کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''جھوٹ مت بولیں آپ نے مجھے کبھی بیوی سمجھا ہی نہیں۔'' وہ تڑپ کر اس کے حصار سے باہر نکلی تھی۔

''تم نے کبھی مجھے شوہر سمجھا؟'' وہ ترکی بہ ترکی بولا تو وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

''میرا مقصد تمہیں شرمندہ کرنا نہیں تھا۔'' شانوں سے تھام کر اسے مقابل کیا۔ ''کیا ایسا نہیں ہو سکتا ایماء کہ ہم سب کچھ بھلا کر ایک نئی زندگی شروع کریں۔''

''مجھے پتا ہے آپ یہ سب اب اس لئے کہہ رہے ہیں کیونکہ میں......'' وہ لرز کر چپ ہو گئی گلا آنسوؤں سے رندھ گیا تھا۔

''کیونکہ تم کیا؟'' شاہ زیب نے دلچسپی سے اس کے شفق زدہ ہوتے چہرے کو دیکھا۔ اس سے وہ بہت پیاری اور دل کے قریب لگی تھی۔

''اوئی ماہ سویٹ ہارٹ' ایک وجہ یہ بھی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ میں تمہیں اب چھوڑ نہیں سکتا۔'' شاہ زیب نے کھینچ کر اسے خود سے قریب کیا تو وہ تو جیسے بکھری بیٹھی تھی۔ اس کے سینے پر سر رکھ کر جو رونا شروع ہوئی تو خود شاہ زیب کے لئے بھی اسے چپ کرانا مشکل ہو گیا۔

''اُفوہ اب چپ بھی کرو کوئی آ گیا تو کیا سوچے گا؟'' شاہ زیب کا انداز ایسا تھا کہ وہ لجا کر اس سے دور ہوئی تھی۔ ''ویسے مجھے امید نہیں تھی کہ تم اتنی آسانی سے مان جاؤ گی۔'' یہ بدلا بدلا انداز' یہ لب و لہجہ' یہ محبت چھلکاتا شیریں لہجہ' وہ تو حیران نظروں سے اسے تکتی رہ گئی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

''آپ...... آپ...... بدل کیسے گئے؟'' لہجہ ایسا معصوم تھا کہ وہ قہقہہ لگائے بنا نہ رہ سکا۔

''میں تو ہمیشہ سے ہی ایسا تھا' تم نے ہی کبھی سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اپنی انا کی دیواروں کو بلند سے بلند کرتی گئیں۔ کبھی میرے قریب آنے کی کوشش ہی نہیں کی اور نہ مجھے اپنے قریب آنے دیا۔'' وہ سنجیدہ ہو گیا۔ ایماء نے کچھ ایسی نظروں سے اس کی طرف دیکھا' جن کا مفہوم وہ بنا کچھ کہے سمجھ گیا۔

''میں مانتا ہوں میں نے جو کچھ کیا' مجھے اس طرح نہیں کرنا چاہئے تھا مگر تم نے بات ہی ایسی کی تھی کہ میں خود پر قابو نہ رکھ پایا آئی ایم سوری۔''

''معافی تو مجھے آپ سے مانگنی چاہئے' غلطی تو میری ہی تھی اور...... اور...... وہ ہارون رضا......''

''کچھ بتانے کی یا وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' شاہ زیب نے اس کی بات کاٹی۔ ''جانتی ہو شادی سے پہلے جب تم میرے پاس آئی تھیں ہارون رضا اور دیگر پروپوزلز کے بارے میں بتانے تو میں یہ سب پہلے سے جانتا تھا۔ حسن ماموں نے مجھے پہلے ہی سب کچھ بتا دیا تھا۔ اور میں سمجھتا ہوں اس سب میں تمہارا اتنا قصور نہیں جتنا ماموں اور ممانی کا ہے۔ ماموں نے تمہیں سوتیلی ماں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا اور تمہاری ایکٹیویٹیز پر نظر نہ رکھی اور سعدیہ ممانی کو ماں بننا آیا ہی نہیں۔''

''اور پھر بھی آپ...... آئی مین وہ طعنے' وہ تلخ انداز......'' وہ خاصی حیران ہوئی تھی۔

''وہ تو میں محض تمہیں تنگ کرنے کی خاطر کہتا تھا۔'' شاہ زیب مسکرایا تو ایماء کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''اگر میں نے کبھی آپ کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی تو اس کی وجہ بھی آپ ہی ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''آپ کا انداز ہی ایسا ہوتا تھا کہ اگلے بندے کی روح فنا ہو جائے۔''

''میں تو اب بھی ایسا ہی ہوں۔ سوچ لو۔'' وہ شرارت سے آنکھ دبا کر بولا۔

''سوچ لیا۔'' ایماء نے پرسکون انداز میں کہتے ہوئے اس کے کشادہ سینے پر سر رکھ دیا۔

''ویسے یہ نئی اطلاع ہے میرے لئے کہ پاگل سوچتے بھی ہیں۔'' شاہ زیب کے شریر انداز پر ایماء نے گھور کر اسے دیکھا۔ پھر وہ دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ باہر لاؤنج میں بیٹھے حسن بیگ اور ارجمند بانو کے چہروں پر طمانیت دوڑ گئی۔ ان کے بچوں نے کھلے دل سے ایک دوسرے کو قبول کر لیا تھا' اس سے بڑھ کر خوشی کی بات ان کے لئے اور کیا ہو سکتی تھی۔

✿